اکابر دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ
کے افکار ونظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر گجرات

فہرست

مظہریہ دار المطالعہ، حق چار یار اکیڈمی
مدرسہ و محلہ حیات النبی، نزد فوراہ چوک گجرات
03344612774

قائداہل سنت رحمہ اللہ......کا......وصیت نامہ

قائداہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ [خلیفہ مجاز: شیخ العرب والعجم حضرت مدنی رحمہ اللہ] بلاشبہ اپنے اسلاف کی سچی تصویر تھے۔ایک ہلکی سی جھلک ان کے وصیت نامہ سے ظاہر ہوتی ہے۔[ادارہ]

الحمد للہ رب العالمین، والعاقبة للمتقین، والصلوٰة والسلام علیٰ رسوله سیدنا محمد خاتم النبیین، وعلیٰ اٰله وصحبه وخلفاء الراشدین المهدیین اجمعین۔

حسب ضابطہ قرآنی "کل نفس ذائقة الموت" بعد از وفات میری قبر بھیں میں حضرت والد ماجد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بنائی جائے۔[۲] میری ذاتی جائیداد غیر منقولہ زمین ومکان وغیرہ موضع بھیں کے رقبہ میں ہے، اس کے علاوہ چکوال یا کسی اور جگہ میں میری کوئی غیر منقولہ کسی قسم کی جائیداد نہیں ہے۔[۳] میں نے کبھی بھی......''جامعہ اظہار الاسلام''......''مدنی جامع مسجد''......یا......''جماعتی فنڈ''......سے کوئی تنخواہ نہیں لی۔[۴] میں نہ کسی کا مقروض ہوں اور نہ کوئی میرا مقروض ہے۔اور مجھ پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہوئی۔رب العالمین اپنے فضل وکرم سے رزق دیتے رہے ہیں۔[۵] میری رہائش گاہ جامعہ اظہار الاسلام کے شعبہ ''جامعہ اہل سنت تعلیم النساء'' کی بلڈنگ میں ہے۔[۶] جس میں پانی، بجلی، گیس اور فون جامعہ کا استعمال کرتا رہا۔[۷] میں نے کبھی اپنی کتابوں کا حق تصنیف نہیں لیا، جن حضرات کو میں کوئی کتاب شائع کرنے کی اجازت دیتا رہا تو وہ اس کے نفع کے بھی مالک ہوتے ہیں اور حقوق تصنیف بہر حال محفوظ ہیں۔کوئی شخص یا ادارہ میری اجازت کے بغیر میری کوئی کتاب شائع نہیں کر سکتا۔اپنے بعد میں یہ حق قاری جمیل الرحمٰن صاحب کو دیتا ہوں، وہ جس کو چاہیں اجازت دے سکتے ہیں۔[۸] میرے بعد جماعتی کام کی ذمہ داری میرے بیٹے قاضی ظہور حسین کے سپرد ہے۔مدنی جامع مسجد، امدادیہ مسجد، جامعہ اظہار الاسلام کے مہتمم قاری جمیل الرحمٰن صاحب ہوں گے۔ناظم دفتر عبدالوحید حنفی اور ناظم مالیات سلیم اختر صاحب (موصوف گذشتہ سال وفات پا چکے ہیں، اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔آمین۔[خادم، حمزہ]) ہی رہیں گے۔[۹] شعبہ تعلیم النساء نے چونکہ میری اہلیہ مرحومہ اور بچیوں کی وجہ سے ترقی پائی ہے اس لیے اس شعبہ کے انتظامات حافظ زاہد حسین صاحب رشیدی [موصوف حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے فرزند نسبتی [داماد] ہیں۔) اور ان کی اہلیہ کے سپرد کرتا ہوں۔

[۱۰] تصوف وسلوک: مذہبی اور جماعتی زندگی میں میری توجہ زیادہ تر فرق باطلہ کی طرف رہی ہے۔شیعیت، خارجیت اور مودودیت کے رد میں چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں، اس وجہ سے اور نااہلیت کی وجہ سے بیعت سلسلہ کی طرف توجہ کم رہی ہے۔تصوف وسلوک کا مقصد مقام احسان کا حاصل کرنا ہے، جس کا ذکر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی

حسب ذیل حدیث میں ہے "قال ماالاحسان؟ قال: ان تعبدالله کانك تراہ، فان لم تکن تراہ، فانه یراك۔" حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: ''احسان کیا ہے؟'' فرمایا: ''یہ کہ تو اللہ کی عبادت کرے اس طرح کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے، پس اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تو وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔'' احسان کی یہ کیفیت حاصل ہو جائے تو اصحاب تصوف اس کو نسبت باطنی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس نسبت کے بھی مدارج ہیں، عالم اسباب میں یہ نسبت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے، کثرت ذکر اور مجاہدہ و مراقبہ سے حاصل ہوتی ہے۔

مشائخ کے نزدیک بیعت دو قسم کی ہوتی ہے۔ [۱] ایک بیعت توبہ [۲] دوسری بیعت سلوک۔ بیعت توبہ کی اجازت ہر اس شخص کو دی جاتی ہے جو متشرع اور مخلص ہو، خواہ نسبت باطنی اس کو حاصل نہ ہو۔ اور بیعت سلوک کی اجازت صاحب نسبت کو دی جاتی ہے۔ بندہ نے حسب ذیل حضرات کو بیعت توبہ کی اجازت دی ہے۔ ا......حضرت مولانا محمد یوسف صاحب شیخ الحدیث: پلندری آزاد کشمیر (اسم ذات کی کثرت سے ان کو بھی ان شاءاللہ نسبت حاصل ہو سکتی ہے۔)۔ (موصوف امسال شوال المکرّم میں وفات پا گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔ آمین۔)
۲......جناب مولانا فضل احمد صاحب مدرس: جامعہ امدادیہ فیصل آباد جو حضرت مولانا محمد امین شاہ صاحب مخدوم پور والوں کے داماد ہیں۔ ۳......حضرت مولانا قاری جمیل الرحمٰن صاحب تاجک، حضرو، حال مقیم چکوال۔ ۴......حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب بمقام جھہان سومرو، ضلع حیدرآباد [موجودہ ضلع ٹنڈو محمد خان]۔ موصوف کی استعداد اچھی ہے، احوال عمدہ ہیں، ان کو نسبت حاصل ہے مگر ابھی رسوخ نہیں۔ اب میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کو بیعت سلوک کی اجازت دیتا ہوں۔

بیعت توبہ یا بیعت سلوک، مقصد یہ ہے کہ شیخ العرب والعجم حضرت مدنی قدس سرہ کے فیوضات سے لوگ مستفید ہوں، مذکورہ حضرات مکتوبات شیخ الاسلام سے راہنمائی حاصل کریں اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات سے بھی استفادہ کرتے رہیں۔

ہمارا عقیدہ کہ صحابہ کرام معیارِ حق ہیں، تمام صحابہ اور اہل بیت عظام جنتی ہیں اور ان میں سے حسب ذیل چار حضرات امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب، حضرت عثمان ذوالنورین اور شیر خدا حضرت علی المرتضٰی رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن کے چار موعودہ خلفائے راشدین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرام اور حضرات اکابرین دیوبند قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی: دارالعلوم دیوبند، امام العصر شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب اسیر مالٹا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور شیخ العرب والعجم السید حضرت حسین احمد مدنی قدس اللہ اسرارہم کے مسلک حق کی پیروی نصیب فرمائیں، اہل السنۃ والجماعۃ کو ہر طرح کے فتنوں شیعیت، خارجیت، مودودیت وغیرہ سے محفوظ رکھیں اور پاکستان کو نظام خلافت راشدہ نصیب ہو۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہ

عوام......جمہور اہل سنت سے ہی وابستہ رہیں!

قارئین کرام! دور حاضر کے فتنوں کا مقابلہ کرنے کیلئے اللہ تعالی نے جن لوگوں کو منتخب کیا ان میں پاسبان مسلک حق حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ اور امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب نور اللہ مرقدہ کا اسم گرامی نصف النہار کے سورج کی طرح چمکتا رہے گا۔ کون سا وہ فتنہ ہے جس کی انہوں نے سر کوبی نہیں کی۔؟ انہیں فتنوں میں سے ایک فتنہ ’’مودودیت‘‘ ہے جس کو حضرت مولانا سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ ’’عظیم قلمی فتنہ‘‘ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ’’مودودی صاحب نے اسلام کی بزرگ ترین ہستیوں، مثلا حضرات انبیاء کرام علیہ الصلوۃ والسلام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم کو (معاذ اللہ) اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ حضرت آدم، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت یونس اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے بارے میں انہوں نے جو نازیبا کلمات اور نظریات پیش کئے ہیں وہ ان کی مایہ ناز تفسیر ’’تفہیم القرآن‘‘ میں موجود ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنے دیگر مضامین کے علاوہ ’’خلافت وملوکیت‘‘ میں جو کچھ کہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیعہ حضرات سلجھے ہوئے انداز میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتے اور نہ کہہ سکتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ شیعہ کی پوری جماعت پاکستان بھر میں سو سال تک حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے وہ اعتماد نہ اٹھا سکتی تھی جو تنہا مودودی صاحب نے ’’خلافت وملوکیت‘‘ میں اٹھا کر اپنے نفس پر ظلم کر ڈالا ہے تو بے جا نہ ہوگا‘‘ [مودودی صاحب کا ایک غلط فتویٰ اور ان کے چند دیگر غلط نظریات ص۳،۴] اور پھر مودودی صاحب کا لاہوری مرزائیوں کو یہ کہنا کہ ’’نہ تو مسلمان ہیں نہ کافر‘‘ اس کی دلائل قاہرہ سے تردید کی ہے اور ص۶ پر اس فتویٰ کو باطل اور مردود کہا ہے۔ نیز مودودی صاحب کے اس قول کو کہ ’’کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں‘‘ [رسائل و مسائل، ج ا، ص۴۸] نقل کر کے اس کو غیر اسلامی نظریہ قرار دیتے ہیں۔ [غلط فتویٰ، ص۸] نیز حضرت فرماتے ہیں کہ مودودی صاحب لاہوری مرزائیوں کے کفر میں متأمل ہیں۔ بلکہ کفر وایمان میں ان کو معلق مانتے ہیں۔ بلکہ اپنے منشور میں ایسی دفعہ رکھی ہے جس سے لاہوری مرزائی مسلمان قرار پاتے ہیں۔ (غلط فتویٰ، ص۲۴) نیز حضرت مزید باطل نظریات کو لکھ کر فرماتے ہیں کہ ’’ہم بھی اپنے اکابر کی پیروی میں مودودی صاحب کو گمراہ سمجھتے ہیں۔‘‘ [غلط فتویٰ ص۴۸]

لیکن حضرت امام اہل سنت کی تمام مساعی جمیلہ پر پانی پھیرتے ہوئے ان کے فرزندار جمند مولانا

زاہدالرشدی ہر بدعتی کی کتاب پر تقریظ لکھنے کیلئے معلوم ہوتا ہے کہ ہمہ وقت تیار بیٹھے ہیں۔ چنانچہ ایک مودودی مولوی معین الدین خٹک کی ''معین القاری شرح صحیح البخاری'' پر بھی تقریظ لکھتے ہوئے ان کے طرز تدریس کو حضرت گنگوہی، حضرت سید انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہم کے طرز تدریس کے تسلسل اور ہزاروں مدارس کی مستحکم روایت کی حیثیت سے بیان فرماتے ہیں اور ان کی محنت کی داد دیتے ہیں۔ اور اس کے ضمن میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ''مصنف نے جمہور کا ساتھ دینے کی بجائے مودودی صاحب کا دفاع کیا''......تو جو شخص جمہور سے کٹ جائے اس کے دروس کو طلبہ اور اساتذہ کیلئے خاصی افادیت کے پہلو سے متعارف کرانے کی کیا ضرورت پڑی ہے؟......

پھر مودودی صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ: ''میری طالب علمانہ رائے میں اگر مودودی صاحب کے تفرادت کو بھی دوسرے اہل علم کے تفردات کی طرح تفردات کے درجے میں رہنے دیا جاتا اور انہیں مستقل موقف کی حیثیت دے کر ان کے اثبات و دفع میں اس درجہ شدت اختیار نہ کی جاتی تو اس معاملہ میں بہت سے بگاڑ سے بچا سکتا تھا۔'' [معین القاری، ج ۳ ص ۵۰، ۵۱] پوری امت نے اور امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے جن نظریات کو ''گمراہی'' اور ''فتنہ'' قرار دے کر مودودی صاحب کو گمراہ قرار دیا۔ مولانا زاہدالراشدی ان کو ''اہل علم کے تفردات'' میں شامل کر کے جملہ اکابر اور حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی جمیلہ پر صرف پانی نہیں پھیر رہے بلکہ اس کو دین میں بگاڑ سے تعبیر کرتے ہیں۔ انتہائی افسوس کی بات ہے۔

تمام اکابر کی طرح حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہم نے مسئلہ حاضر ناظر کی تردید پر مستقل کتاب لکھی اور ''راہ سنت'' میں انگوٹھے چومنے کی تردید کی، نماز (جنازہ) کے بعد دعا کے بدعت ہونے پر ایک رسالہ شائع کرایا۔ غیر اللہ کے ''مختار کل'' ہونے کی نفی کرتے رہے......اور مولانا زاہدالرشدی صاحب بجائے اس مشن کو آگے بڑھانے کے انہی بدعات والی کتابوں کو ''حسن ذوق'' قرار دے کر ان کی قبولیت اور ان کے نفع بخش ہونے کی دعائیں اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں۔ [انور خاص، ص ۲۲۵]

اسی طرح حضرت امام سنت رحمۃ اللہ علیہ نے ''صرف ایک اسلام''، ''انکار حدیث کے نتائج'' اور ''شوق حدیث'' جیسی کتابیں لکھ کر ''فتنہ انکار حدیث'' کا ناطقہ بند کر دیا۔ مگر دور حاضر کے منکر حدیث جاوید غامدی اور اس کے شاگرد عمار ناصر بن زاہدالرشدی کے نظریات سے مولانا زاہدالرشدی مرعوب ہو کر ان کی بعض کتب پر بھی تقریظات لکھ رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ماہنامہ ''وفاق المدارس'' نے بھی مولانا کو کچھ متنبہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ بہر حال مولانا کو اپنے اس رویہ پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں بہر حال جب تک وہ اپنے اس رویہ کو تبدیل نہ کریں ''عوام......جمہور اہل سنت سے ہی وابستہ رہیں''۔ اور ایسی تقریظات سے متاثر نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ سلف صالحین اور اکابرین علماء دیوبند کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر مدظلہ

امام اہل سنت کا مسلک اعتدال

......اور......

حافظ محمد عمار خان ناصر

(نوٹ: صاحبزادۂ امام اہل سنت، حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ نے
''امام اہل سنت کے عقائد ونظریات......تحقیق اور اصولِ تحقیق کے آئینے میں''
کے عنوان سے ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ کی خصوصی اشاعت بیادِ امام اہل سنت کے لیے ایک تفصیلی، تحقیقی مضمون تحریر فرمایا، جو ''الشریعہ'' میں طبع بھی ہوا، لیکن مولانا عمار ناصر نے ''الشریعہ'' کے دوسرے ایڈیشن سے مولانا عبدالحق صاحب کے مضمون کا وہ تمام حصہ خارج کر دیا جس میں مولانا عمار ناصر کے گمراہ کن نظریات کی زبردست خبر لی گئی تھی اور ان کا مدلل، پرمغز اور جاندار رد کیا گیا تھا۔ جبکہ مولانا عمار ناصر کے مضمون کے وہ مندرجات جن پر مولانا عبدالحق صاحب نے گرفت فرمائی تھی وہ بدستور موجود ہیں، ماہنامہ ''الشریعہ'' کے ''آزاد فورم'' کے نعرے کا بھانڈا اسی سے پھوٹ گیا۔ فیـــــا للعجب۔ مولانا عبدالحق صاحب کے مضمون کا وہ حصہ جو عمار صاحب نے ''الشریعہ'' کے دوسرے ایڈیشن سے خارج کیا، پیش خدمت ہے۔ [ادارہ])

حافظ محمد عمار خان ناصر کی علمی بے راہ روی:

میرے انتہائی پیارے عزیز اور بھتیجے (برادر مکرم علامہ زاہد الراشدی مدظلہ کے فرزند) حافظ محمد عمار خان ناصر بچپن سے ہی خداداد ذہانت کے مالک ہیں۔ قدرت نے انہیں بے پناہ ذہانت سے نوازا ہے۔ وہ بلا کا حافظہ رکھتے ہیں اور بچپن سے مطالعہ کا بھی ذوق وجنون ہے، اور یہ فطرت کا قانون ہے کہ اگر کسی ذہین وفطین آدمی کو تربیتی سختیوں سے آزاد کر دیا جائے اور اسے نگرانی کے حصار میں نہ رکھا جائے تو اس کے بھٹکنے کا ہر وقت اندیشہ رہتا ہے اور اس کے فکری بے راہ روی کا شکار ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ماضی میں اس کی ان گنت مثالیں موجود ہیں۔ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی ذہانت وفطانت ہی تھی جس نے ان کے مرشد وسرپرست

حافظ محمد صدیق بھرچونڈویؒ کو پریشان کر دیا تھا اور انہوں نے مولانا سندھیؒ کو بغرض تعلیم رخصت کرتے وقت دعا کی تھی کہ یا اللہ! اس کا واسطہ کسی متبحر اور پختہ کار عالم سے پڑے، اور حضرت سندھیؒ خود فرماتے ہیں کہ میرے مرشد و مربی کی دعا مجھے حضرت شیخ الہندؒ کے قدموں تک لے آئی۔ غرضیکہ ذہین آدمی کی فکری تربیت کی نگرانی بہت ضروری ہوتی ہے اور اگر وہ مطالعہ کا ذوق و شوق بھی رکھتا ہو تو نگرانی میں شدت شامل کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ کی ذہانت و فطانت سے ہر صاحب علم و مطالعہ اچھی طرح واقف و باخبر ہے۔ تقریباً بارہ سال کی عمر میں وہ جملہ علوم و فنون کی تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے۔ ان کی اسی ذہانت و فطانت کی بنا پر ان کے والد گرامی مولانا خیر الدینؒ ان کے بارے میں پریشان رہتے تھے اور ان کے بچپن میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنے بیٹے کی ذہانت سے خوف آتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اس کی ذہانت اسے کسی نئے رخ پر نہ لگا دے اور وہ نیا رخ اس کی اور اس کے ذریعہ دیگر لوگوں کی گمراہی کا باعث نہ بن جائے اور اسے اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک حقہ سے دور نہ کر دے۔ مولانا آزادؒ کے والد محترمؒ کی ماضی پر نظر تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ماضی کے اندر ذہین و فطین لوگوں کے اٹھائے ہوئے فتنے ہزاروں لوگوں کے ایمان غارت کر چکے ہیں اور ہم اپنے شیخ و مرشدؒ کا قول بھی ان فتنوں کے بارے میں گزشتہ سطور میں بیان کر چکے ہیں۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ فکری اصلاح کے لیے دھونس سے کام نہیں لینا چاہیے، لیکن ہمیں اس سے ہرگز اتفاق نہیں، کیونکہ جب کوئی شخص اپنے آبا و اجداد کے فکری اصولوں میں برملا طور پر دھاندلی سے کام لے رہا ہو تو اسے دھونس کے ذریعے راہ راست پر لانا اس کے سرپرستوں کی شرعی و اخلاقی ذمہ داری ہے۔ قرون اولیٰ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں اور خود ہمارے حضرت شیخؒ کا طرز تربیت اس بارے میں جو کچھ تھا، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

امام اہل سنت کا طرز تربیت:

خاندان صفدریہ کا ہر وہ فرد جو حضرت شیخؒ کے ایام صحت و تندرستی کے معمولات سے باخبر ہے، وہ اس بات کی شہادت دے گا کہ حضرت شیخؒ اپنے بچوں کی اعتقادی و اخلاقی تربیت و اصلاح میں بہت سخت گیر تھے اور اس معاملہ میں ان کے اندر نرمی کا کوئی گوشہ نہ تھا۔ سب بچوں کی ڈاڑھیوں کو چیک کرنا، جس پر ڈاڑھی کٹانے کا شبہ ہو، اسے سخت سزا دینا، ہر جمعہ کو اپنے ہاتھوں سے سب کے ناخن کاٹنا، ناخن بڑھے ہوئے دیکھ کر سزا دینا، مہینہ میں کم از کم ایک بار سب کی حجامتیں اپنی نگرانی میں بنوانا گویا ان کی ڈیوٹی کا حصہ تھا۔ ان کی تمام اولاد کے اندر مسلکی پختگی اور اسلاف کی تحقیقات پر غیر متزلزل یقین اور اعتماد ان کی اسی سخت نگرانی و شدت کا نتیجہ ہے۔

صحت کے دور میں سب بچوں کو اپنے ساتھ مسجد لے کر جانا، نماز کے بعد ان کو صفوں میں چیک کرنا، پہلی رکعت چھوڑنے کی صورت میں سزا دینا، نماز کے اندر سستی اور تعلیم واسباق کے اندر غفلت برتنے والوں کی پٹائی کرنا ان کا مستقل معمول تھا اور خاندان صفدریہ کا ہر فرد اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ بچپن میں تمام بچوں پر دیوبندی کتب ورسائل کے علاوہ باقی مذاہب ومسالک اور فرقوں کی کتب اور رسائل کا مطالعہ کرنے پر سخت پابندی تھی۔ حضرت شیخؒ کے پاس قادیانی، روافض، منکرین حدیث، اہل حدیث اور بریلوی وغیرہ تمام مکتب فکر کے رسائل آتے تھے، لیکن سب بچوں کو ان میں سے دیوبندی مکتب فکر کے رسائل (بینات، البلاغ، الفرقان، الحق، ترجمان اسلام اور خدام الدین وغیرہ) کے علاوہ کوئی رسالہ پڑھنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ یہ واردات اگر کسی نے کرنا ہوتی تو انتہائی خفیہ اور غیر محسوس طریقہ سے کرتا۔ متعدد بار اس معاملہ میں میری اور بھائی جان محمد اشرف خان ماجد مرحوم کی پٹائی بھی ہوئی۔ حضرت شیخؒ کی طرف سے اس پابندی وسختی کے خوش کن اور دوررس اثرات اس وقت بہت نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آئے جب ہم نے فکری واعتقادی میدان میں عملی جدوجہد کے لیے قدم رکھا۔

صرف بچوں کی نہیں بلکہ مریدین وتلامذہ کی اصلاح وتربیت کے لیے بھی وہ کافی حد تک سختی سے کام لیتے تھے اور انہیں قدم قدم پر اسلاف کی تحقیقات سے جڑے رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ ایک بار ان کے ایک مرید نے، جو ہائی سکول میں ٹیچر تھے اور سیالکوٹ یا پسرور سے اکثر حضرت شیخؒ کی خدمت میں تشریف لایا کرتے تھے، چند غیر مسلکی کتابوں کے مطالعہ کی اجازت چاہی تو حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ ''میرے نزدیک ایسے آدمی کے لیے جو اپنے مسلکی عقائد ونظریات اور ان کے دلائل سے پوری طرح واقف نہ ہو، کسی دوسرے مذہب ومسلک کی کتب ورسائل کا مطالعہ کرنا جائز نہیں، کیونکہ ان میں سے اکثر وہ ہیں جو ارد واد بیت کی چاشنی اور عقلی دلائل کی چکر بازیوں سے لبریز ہیں اور ان کی وجہ سے آدمی کا نقلی دلائل پر سے اعتماد ختم یا کمزور ہو جاتا ہے۔'' ماسٹر صاحب نے اپنی مسلکی پختگی کا پورا یقین دلاتے ہوئے اجازت پر اصرار کیا۔ میرے لیے یہ بات باعث حیرت تھی کہ وہ اجازت کیوں طلب کرتے ہیں اور پھر اجازت حاصل کرنے پر مصر کیوں ہیں؟ لیکن پوچھنے کا حوصلہ نہ کر سکا۔ انہوں نے سرسید احمد خان کی ''تفسیرات احمدیہ'' اور ''خطبات احمدیہ'' اور مولوی محمد علی لاہوری کی ''بیان القرآن'' پڑھنے کی اجازت مانگی تھی۔ ان کے شدید اصرار پر حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ اگر ان کتب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہتے ہو تو پھر ان سے پہلے مولانا عبدالحق حقانی دہلوی کی ''تفسیر حقانی''، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی تفسیر ''معارف القرآن'' اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کی ''سیرت النبی'' جلد ۳، ۴ کا مطالعہ کریں۔ جب وہ حضرت شیخؒ سے ملاقات کے بعد واپسی کے لیے باہر نکلے تو میں نے ذہن کے اندر مچلنے والا سوال ان پر داغ دیا جس پر انہوں نے یہ عجیب انکشاف کیا کہ میرا گزشتہ پندرہ سال سے حضرت شیخؒ کے ساتھ تعلق ہے اور میں ہر قسم کی علمی

وروحانی راہنمائی حاصل کرنے کے لیے حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا ہوں۔ جب بھی میرا کوئی دوست مجھے کوئی ایسی کتاب پڑھنے کے لیے دیتا ہے جو میرے مسلک کی نہ ہو تو میں حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں اور ان سے اس کتاب کے پڑھنے کی اجازت مانگتا ہوں۔ حضرت شیخؒ ہر بار یہی جملہ فرماتے ہیں کہ ایسی کتابوں کا مطالعہ جائز نہیں۔ میں ہر بار اصرار کرتا ہوں تو حضرت شیخؒ اجازت دے دیتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اس کا توڑ بھی بتا دیتے ہیں۔ اس طرح زہر کے ساتھ تریاق بھی مل جاتا ہے۔ میں نے تعجب کے ساتھ ان سے کہا کہ آپ اپنے دوستوں سے ایسی کتابیں مطالعہ کے لیے لیتے کیوں ہیں؟ تو انہوں نے مسکرا کر فرمایا کہ میں بھی تو ان کو اپنے مسلک کی اور حضرت شیخؒ کی کتابیں پڑھنے کے لیے دیتا ہوں۔ اگر میں ان سے پڑھنے کے لیے کتاب نہ لوں (جو وہ دے رہے ہیں) تو وہ مجھ سے کتاب کیسے لیں گے؟ اور دوسرا فائدہ مجھے یہ ہو جاتا ہے کہ جو کتابیں میرے دوست مجھے دیتے ہیں، میں ان کو وہ کتابیں پڑھنے کے لیے دے دیتا ہوں جو حضرت شیخؒ مجھے ان کے توڑ کے لیے بتاتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حضرت شیخؒ کی خصوصی شفقت وتوجہ سے کئی ایسے دوستوں کو راہ راست پر لا چکا ہوں جو مختلف فتنوں کا شکار ہو چکے تھے۔

اس ایک واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخؒ کا انداز تربیت کیا تھا اور وہ کس انداز سے اپنے مریدین اور تلامذہ کو اسلافؒ کی تحقیقات سے جوڑے رکھتے تھے۔

اجماع کے بارہ میں عمار خان ناصر کی علمی ٹھوکر:

عزیزم عمار خان ناصر سلمہ اللہ تعالیٰ کافی عرصہ سے ڈاکٹر جاوید احمد غامدی کی روشن خیال تحریک سے وابستہ ہیں اور اس وابستگی کے بعد ان کا تمام تر مطالعہ اسی فکر ونظر کے حوالہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک کتاب ''حدود وتعزیرات: چند اہم مباحث'' کے نام سے لکھی جو غامدی صاحب کے ادارہ ''المورد'' سے شائع ہوئی۔ اس میں دیت اور زانی کی سزا کے بارے میں جو موقف اختیار کیا گیا ہے، وہ خالص غامدی نقطہ نظر ہے جسے کسی صورت بھی اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور خود عزیزم عمار کو بھی اس پر اصرار نہیں کہ وہ جمہور اہل سنت کا موقف ہے۔ وہ بھی اسے جمہور کے خلاف اپنی ایک رائے قرار دیتے ہیں۔

مخدوم مکرم حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب مدظلہ (جامعہ مدنیہ لاہور) نے اس پر گرفت کی اور'' مقام عبرت'' کے نام سے ایک رسالہ تالیف فرمایا اور ہمیں اس بات کا اعتراف واعلان کرنے میں کوئی باک وعار نہیں ہے کہ ان کی گرفت جمہور اہل سنت والجماعت کے اصول ومسلک کے عین مطابق ہے اور حضرت امام اہل سنتؒ کے مسلک وطرز تحقیق سے بھی مکمل مطابقت رکھتی ہے اور ہم ان کی طرف سے اس عالمانہ وناصحانہ گرفت پر ان کے انتہائی ممنون وشکر گزار ہیں۔ عزیزم ناصر صاحب نے ان کے جواب میں ایک رسالہ ''مولانا مفتی عبد الواحد کی تنقیدات کا جائزہ'' تحریر کیا اور اس میں مفتی صاحب مدظلہ کی طرف سے

اٹھائے گئے خالص علمی اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی۔ ہمارے خیال میں اسے لفظی ہیر پھیر کا نام تو دیا جا سکتا ہے لیکن جواب تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ باقی ابحاث پر تو بحث فی الوقت ہم وقت کا ضیاع ہی سمجھتے ہیں کیونکہ جب تک کسی بنیادی اصول پر اتفاق ہی نہ ہو، ذیلی بحثوں کے چھیڑنے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔
عزیزم عماران مسائل میں جو بہت بڑی علمی ٹھوکر کھا چکے ہیں اور کھا رہے ہیں ان کی بنیاد دراصل ان کا اجماع امت کے بارہ میں نقطہ نظر ہے۔ جب تک وہ اپنے اس نقطہ نظر پر نظر ثانی نہ کریں اس وقت تک ذیلی مسائل پر بحث بالکل فضول ہے۔ اجماع کے بارہ میں ان کا نقطہ نظر ملاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں کہ

''یہ اعتراض اس عام خیال کی ترجمانی کرتا ہے کہ کسی آیت یا حدیث کی تفسیر یا کسی فقہی مسئلے کے متعلق اگر سلف سے کوئی اختلاف کتابوں میں منقول نہ ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کے دور سے لے کر آج تک ہر دور کے تمام اہل علم اس رائے پر متفق رہے ہیں، اس لیے اس کی پابندی کرنا اور اس سے مختلف کوئی رائے اختیار نہ کرنا اہل سنت کا ایک علمی مسلمہ ہے جس کی خلاف ورزی ناجائز ہے۔ اس نقطہ نظر میں کسی رائے پر امت کے اہل علم کے کامل اتفاق کی جو صورت حال فرض کی گئی ہے، اگر وہ فی الواقع پائی جاتی ہو تو عقل ومنطق سے قطع نظر کم از کم نفسیاتی طور پر یہ ایک بہت موثر استدلال ہے۔ تاہم واقعہ یہ ہے کہ یہ خیال جس قدر عام ہے اتنا ہی حقیقت واقعہ سے دور اور امت مسلمہ کی علمی روایت کے نہایت محدود سطحی اور عامیانہ مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی مآخذ یعنی قرآن وسنت اور دین وشریعت کے نہایت بنیادی تصورات اور احکام کی حد تک تو یہ بات یقیناً درست ہے کہ ان کو نسلاً بعد نسلٍ دین کی حیثیت سے نقل کرنے میں اس امت کے اہل علم اور عوام کا ایک عمومی عملی اتفاق ہے اور تاریخی معیار پر ہر دور میں اس اتفاق کو ثابت کرنا بھی پوری طرح ممکن ہے، لیکن جہاں تک نصوص اور احکام کی علمی تعبیر وتشریح کا تعلق ہے تو کسی بھی مخصوص مسئلہ میں امت کے تمام اہل علم یا کم سے کم وہ اہل علم جنہوں نے اس مسئلہ پر غور کیا اور اس پر باقاعدہ کوئی رائے قائم کی، ان سب کی آرا کو استقصا کے درجہ میں معلوم کرنا بدیہی طور پر انسانی بساط سے بالکل باہر ہے۔ چودہ سو سال میں ہر دور اور ہر علاقہ کے اہل علم کی آرا کو یقینی طور پر معلوم کرنے کا تو کیا سوال، تاریخ اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں یعنی صحابہ اور تابعین کے عہد میں بھی اس کا کوئی عملی امکان نہیں پایا جاتا۔'' (تنقیدات کا جائزہ، ص ٦)

اور پھر حضرت امام شافعیؒ کی کتاب الام، حضرت امام ابن تیمیہؒ کے مجموع الفتاویٰ اور امام فخر الدین رازیؒ کی المحصول سے چند شاذ اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

''یہ حقیقت اپنی جگہ بالکل واضح ہے کہ علمی وفقہی تعبیرات کے دائرے میں اجماع کا تصور محض ایک علمی افسانہ ہے جس کا حقیقت کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق نہیں''۔ (ایضاً ص ١٣)

عزیزم عمار کے مذکورہ دونوں حوالہ جات ملاحظہ فرمایئے اور اندازہ کیجیے کہ وہ علمی و تحقیقی طور پر غلط رخ اختیار کرنے کی وجہ سے ذہنی تذبذب کا شکار ہوکر رہ گئے ہیں۔ان کے مذکورہ حوالہ جات سے درج ذیل امور سامنے آتے ہیں:

۱۔اجماع کا معروف تصور ایک مفروضہ اور علمی افسانہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

۲۔اجماع عقل و منطق کی دلیل نہیں بلکہ صرف ایک نفسیاتی دلیل ہے۔

۳۔اجماع کا معروف تصور، علمی روایت کے نہایت محدود، سطحی اور عامیانہ مطالعہ کا نتیجہ ہے۔

۴۔ہر دور اور ہر علاقہ کے اہل علم کی آرا کو یقینی طور پر معلوم کر لینا انسانی بساط سے باہر ہے۔

۵۔قرآن وسنت اور دین وشریعت کے بنیادی تصورات واحکام کا تاریخی معیار پر ہر دور میں اجماع ثابت کرنا پوری طرح ممکن ہے۔

۶۔نصوص واحکام کی کسی علمی تعبیر وتشریح پر اجماع ثابت کرنا عملی امکان سے باہر ہے۔

عزیزم عمار کی ذہنی کیفیت کا ایک دلچسپ پہلو اور بھی ہے، وہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ کی کتاب المحصول ۴/۱۷۷ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

''پوری امت کے متفق ہونے کا علم اس کے بغیر ممکن نہیں کہ امت کے ہر ہر فرد کے بارہ میں معلوم ہو جو ایک ناممکن بات ہے، کیون کہ کون ہے جو مشرق ومغرب کے تمام انسانوں کو جانتا ہو؟ اور اس امکان کو کیسے رد کیا جاسکتا ہے کہ کسی مخفی مقام پر کوئی انسان موجود ہو جس کے بارے میں ہمیں علم نہ ہو؟ کیونکہ انصاف سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مشرق میں رہنے والوں کو مغرب کے کسی ایک عالم کی بھی خبر نہیں، چہ جائیکہ وہ ان سب کے بارہ میں اور ان کی آرا ومذاہب کے بارہ میں تفصیل سے جانتے ہوں۔ بلکہ یہاں ایک اور مقام بھی ہے۔ وہ یہ کہ اگر سارے اہل علم ایک جگہ جمع ہو جائیں اور اکٹھے آواز بلند کر کے یہ کہیں کہ ہم اس بات کا فتویٰ دیتے ہیں تو اس بات کے عملاً ناممکن ہونے کے علاوہ پھر بھی اس سے اجماع کا علم حاصل نہیں ہوتا۔ کیوں کہ ممکن ہے ان میں سے کوئی اس سے اختلاف رکھتا ہو، لیکن اتنے بڑے اجتماع کے سامنے اختلاف ظاہر کرنے سے ڈر گیا ہو۔ یا اس نے اس بادشاہ کے خوف سے، جس نے انہیں طلب کیا، اختلاف ظاہر نہ کیا ہو۔ یا اس نے اختلاف تو کیا ہو لیکن اس کی آواز ان سب کی آوازوں میں دب گئی ہو۔'' (ایضاً،ص:۹،۱۰)

یہ ہے عزیزم عمار کی ''ٹامک ٹوئیاں'' مارتی ذہنی کیفیت۔ وہ اس مذکورہ حوالہ سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ

۱۔پوری امت کا اجماع قبول یا ثابت کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ امت کے ہر ہر فرد کے بارے میں اس کی رائے معلوم نہ ہو جائے اور یہ ناممکن ہے۔

۲۔اگر بالفرض امت کے سارے اہل علم ایک مقام پر جمع ہو جائیں اور بیک زبان ہو کر بآواز بلند ایک رائے پر اتفاق کریں تو بھی اسے اجماع قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ امکان ہے کہ کسی نے محض ڈر اور خوف سے ہاں میں ہاں ملا دی ہو یا اس نے اختلاف کیا ہو، لیکن شور میں اس کی آواز دب گئی ہو۔

نتیجہ ظاہر ہے کہ اجماع ممکن نہیں۔اب عزیزم عمار کی ذہنی کیفیت اور ان کے طرز استدلال کو سامنے رکھ کر جائزہ لیجیے کہ وہ جس اجماع کے وقوع و وجود کا کسی بھی پہلو سے کوئی امکان تسلیم نہیں کرتے، اس کے بارے میں ''دو ذہنی'' کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ایک طرف قرآن وسنت کے بنیادی تصورات واحکام میں اجماع کو ممکن مانتے ہیں اور دوسری طرف نصوص واحکام کی تعبیر وتشریح میں اجماع کو غیر ممکن قرار دیتے ہیں۔ان کے مذکورہ مفروضات واستدلالات کی روشنی میں ایک پہلو ممکن اور دوسرا کیسے ناممکن ہے؟ یہ فلسفہ ہمارے فہم سے بالا ہے۔اس کی وضاحت وہی کر سکتے ہیں۔البتہ اس مقام پر ان کا یہ ''انکشاف'' نہایت افسوسناک ہے کہ جس اجماع کو آج تک پوری امت ایک ''شرعی دلیل'' کے طور پر پیش کرتی رہی ہے، اس اجماع کو وہ ''محض نفسیاتی دلیل'' قرار دے کر اس کا مذاق اڑا رہے ہیں اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ وہ اجماع کو ''علمی افسانہ'' ثابت کرنے کے شوق میں چودہ سو سالہ اسلاف امت کے تحقیق ومطالعہ کو محدود، سطحی اور عامیانہ قرار دے کر ''المورد'' کی علمی وفکری لامحدودیت اور برتری کو ثابت کرنے کے چکر میں ہیں۔عزیزم عمار کو اس پہلو پر نہایت سنجیدگی سے اپنے طرز فکر کا جائزہ لینا چاہیے۔ہمارے خیال میں عزیزم عمار نے جو اتنی بڑی علمی ٹھوکر کھائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بعض اہم بنیادی حقائق کی طرف توجہ نہیں دے سکے۔ہم ان حقائق کی طرف ان کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔شاید اس طرح وہ اپنے افکار ونظریات پر از سر نو نظر ثانی کر سکیں۔

۱) اجماع امت کا تصور اسلاف امت کا تخلیق کردہ نہیں کہ جس کے بارے میں مفروضات قائم کیے جائیں کہ یہ ممکن ہے یا ناممکن! اس کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر ہے: ان اللہ لا یجمع امتی علی ضلالۃ (ترمذی ۳۹/۲، مستدرک حاکم ۱۱۶/۱) اب یہ فرمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یا تو خبر ہے اور یا بشارت ہے۔ان دونوں صورتوں میں ذہن کے اندر یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک ایسی چیز کی خبر یا بشارت دی جا رہی ہے جس کا وقوع وظہور ممکن ہی نہیں؟ ہمارے خیال میں کوئی ضعیف الاعتقاد مسلمان بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دی گئی کوئی خبر یا بشارت محض مفروضہ یا علمی افسانہ ہو سکتی ہے۔عزیزم عمار کو مسئلہ کے اس پہلو پر محض تحقیقی نظر سے نہیں بلکہ ایمانی حوالہ سے بھی توجہ دینی چاہیے۔

۲) امت مسلمہ کی عظمت وفضیلت کے جو دلائل واسباب بیان کیے گئے ہیں، ان میں بھی ایک دلیل امت کے کسی گمراہی پر متفق نہ ہونے کی ہے اور گزشتہ اوراق میں حجیت اجماع کی بحث کے اندر حضرت شیخ

کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ تمام امتوں پر شاہد و گواہ ہونے کی وجہ سے امت کی مجموعی عدالت قائم ہے اور وہ کسی گمراہی وضلالت پر متفق نہ ہوگی۔ اس امت نے جسے خیر سمجھا، وہ عنداللہ بھی خیر ہوگی اور جسے شر جانا، وہ عنداللہ بھی شر ہوگی۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امت کی عظمت وفضیلت کا جو سب سے بڑا وصف وکمال بیان کیا جا رہا ہے، وہ محض ایک ''مفروضہ'' اور ''علمی افسانہ'' ہے؟

۳) ہر صاحب علم وشعور اس حقیقت سے واقف وباخبر ہے کہ قرون اولیٰ سے اہل سنت والجماعت کے ہاں اجماع دلائل شرعیہ میں سے ایک مستقل دلیل تسلیم کیا گیا ہے اور چودہ سو سال سے اس دلیل کے ذریعے بے شمار افکار واحکام کا اثبات کیا گیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا چودہ صدیوں سے جس دلیل کے ذریعہ ان گنت مسائل کے اثبات ونفی کا کام لیا گیا ہے، وہ محض ایک ''مفروضہ'' اور ''علمی افسانہ'' ہے؟ اور پھر عزیزم عمار کو یہ پہلو بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ انھوں نے جن ائمہ کی عبارات سے استدلال کیا ہے، وہ خود ''اجماع'' کو دلیل مانتے ہیں اور چاروں ائمہ مجتہدین دو چیزوں پر اصولی اتفاق رکھتے ہیں۔ پہلی یہ کہ اصول اہل سنت، اصول فقہ اور دلائل شرعیہ چار ہی ہیں اور دوسری یہ کہ قرآن، سنت اور اجماع کے مقابلہ میں کسی مجتہد کو اجتہاد کا حق حاصل نہیں۔ آخر وہ کون سا اجماع ہے جس کے مقابلہ میں کسی بھی مجتہد کے لیے اجتہاد کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور جس کے منکر کو فقہائے کرام کافر یا اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج قرار دیتے ہیں؟

۴) چودہ صدیوں سے اجماع کے بالمقابل کسی کی رائے کو قبول نہیں کیا گیا۔ اس کے مقابلہ میں رائے دو ہی قسم کی ہوسکتی تھی۔ یا بغاوت یا اجتہادی لغزشیں۔ بغاوت وسرکشی کو تو ہمیشہ گمراہی وضلالت قرار دیا گیا ہے، البتہ اجماع کے مقابلہ میں کسی مسلمہ بزرگ کی رائے کو تفرد قرار دیا گیا ہے یعنی یہ رائے تو بہر حال غلط ہے، لیکن اس کے پیچھے صاحب رائے کی بدنیتی ثابت نہیں ہوسکی، اس لیے اس پر اسے مطعون نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ عزیزم عمار کو بھی اس پر شکوہ ہے کہ کسی کی رائے کو تفرد قرار دے کر اس کی حیثیت کمزور کرنا مناسب نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

> ''عام طور پر اہل علم کی ایسی آرا کو تفرد کہہ کر ان کی علمی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، حالانکہ ان آرا کو جزوی اطلاق کے لحاظ سے تو تفرد کہا جا سکتا ہے، لیکن یہ کسی علمی بے اصولی یا حقیقی اور بنیادی مسلمات سے انحراف پر مبنی نہیں ہوتیں بلکہ مسلمات کے دائرہ میں معروف ومانوس علمی اصولوں ہی کے ایک نئے اطلاق سے وجود میں آتی ہیں۔ ظاہر یہ کہ یہ حتمی نہیں ہوتیں اور سابقہ آرا کی طرح ان سے بھی اتفاق یا اختلاف کی پوری گنجایش موجود ہوتی ہے، لیکن محض اچھوتا ہونے کی بنا پر انہیں علمی روایت سے انحراف قرار دینا کسی طرح درست نہیں۔'' (تنقیدات کا جائزہ، ص۲۲)

عزیزم عمار کا یہ کہنا کہ اجماع کے مقابلہ میں کسی کی شخصی رائے سے اتفاق یا اختلاف کی اتنی ہی گنجایش

ہوتی ہے جتنی کہ سابقہ یعنی اجماعی آرا سے اتفاق واختلاف کی، بہرحال محل نظر ہے۔ کیوں کہ ایک رائے پر (اگر بقول عزیزم عمار اجماع کی معروف تعریف اس پر نہ بھی تسلیم کی جائے) کثیر اہل علم وتحقیق کا اتفاق ہے اور دوسری رائے فرد واحد کی ہو، دونوں سے اتفاق واختلاف کی مساویانہ گنجایش نا قابل فہم ہے۔ اور پھر شخصی رائے کو اجماع کے مقابلہ میں علمی بے اصولی یا حقیقی وبنیادی مسلمات سے انحراف تسلیم نہ کرنا بھی اسی وجہ سے ہے کہ عزیزم عمار اجماعی واتفاقی رائے تسلیم کرنے کی بجائے اسے صرف معروف ومانوس رائے قرار دیتے ہیں۔ بہرحال ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ اجماعی رائے یا بقول عزیزم عمار معروف ومانوس رائے کے مقابلہ میں تفردات کو کبھی بھی قبول نہیں کیا گیا۔ چنانچہ برادر مکرم حضرت مولانا علامہ زاہدالراشدی مدظلہ فرماتے ہیں کہ

> ''آج کے نوجوان اہل علم جو اسلام کے چودہ سوسالہ ماضی اور جدید گلوبلائزیشن کے ثقافتی ماحول کے سنگم پر کھڑے ہیں، وہ نہ ماضی سے دستبردار ہونا چاہتے ہیں اور نہ مستقبل کے ناگزیر تقاضوں سے آنکھیں بند کرنے کے لیے تیار ہیں۔ وہ اس کوشش میں ہیں کہ ماضی کے علمی ورثہ کے ساتھ وابستگی برقرار رکھتے ہوئے قدیم وجدید میں تطبیق کی کوئی قابل قبول صورت نکل آئے مگر انہیں دونوں جانب سے حوصلہ شکنی کا سامنا ہے اور وہ بیک وقت قدامت پسندی اور تجدد پسندی کے طعنوں کا ہدف ہیں۔ مجھے ان نوجوان اہل علم سے ہمدردی ہے، میں ان کے دکھ اور مشکلات کو سمجھتا ہوں اور ان کی حوصلہ افزائی کو اپنی دینی ذمہ داری سمجھتا ہوں، صرف ایک شرط کے ساتھ کہ امت کے اجتماعی تعامل اور اہل سنت والجماعت کے علمی مسلمات کا دائرہ کراس نہ ہو، کیونکہ اس دائرے سے آگے بہرحال گمراہی کی سلطنت شروع ہو جاتی ہے۔'' (حدود وتعزیرات، ص۱۳)

برادر محترم علامہ راشدی مدظلہ کے مذکورہ ہمدردانہ ودرمندانہ موقف میں چند تحفظات کے باوجود ہمیں ان کی اس شرط سے کلی اتفاق ہے کہ امت کے اجماعی تعامل اور اہل سنت والجماعت کے علمی مسلمات کا دائرہ کراس کرنے والے ''تفردات'' کو نہ پہلے کبھی قبول کیا گیا ہے اور نہ اب اس کی کوئی گنجایش ہے، کیونکہ اس سے آگے گمراہی کی سلطنت شروع ہو جاتی ہے۔ اور تفردات گمراہی کب بنتے ہیں؟ جب انہیں اپنی ذات سے باہر لا کر ان کی اشاعت وترویج کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، چنانچہ علامہ زاہدالراشدی مدظلہ فرماتے ہیں کہ

> ''اور تفردات کے بارے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ ہر صاحب علم کا حق ہے جس کا احترام کیا جانا چاہیے، بشرطیکہ وہ ان کی ذات یا ان کے حلقہ تک محدود رہے۔ البتہ اگر کسی تفرد کو جمہور اہل علم کی رائے کے علی الرغم سوسائٹی پر مسلط کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ فکری انتشار اور ایک نئے مکتب فکر کے قیام کا سبب بنتا ہے اور یہی وہ نکتہ اور مقام ہے جہاں ہمارے بہت سے قابل قدر اور لائق احترام مفکرین نے ٹھوکر کھائی ہے اور امت کے اجتماعی علمی دھارے سے کٹ کر جداگانہ فکری حلقوں کے قیام کا باعث بنے ہیں۔'' (ایک

علمی وفکری مکالمہ، ص ۱۲)

یعنی تفردات کو جب پبلک کے اندر لانے کی کوشش کی جائے تو وہ ایک نیا مکتب فکر بن کر گمراہی کا باعث بنتے ہیں، لیکن اس مقام پر ہمیں برادر مکرم مدظلہ کے اس موقف سے شدید اختلاف ہے کہ ”تفردات ہر صاحب علم کا حق ہے۔“ ہمارے خیال میں تفردات قائم کرنا حق نہیں ہے، بلکہ معذوری ہے، کیونکہ حق قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دروازے ہمیشہ کے لیے ہر صاحب علم کے لیے کھلے ہیں۔ جب کہ ہمارا موقف یہ ہے کہ ماضی کے اہل علم کے تفردات کو ان کا حق تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ ان کی معذوری قرار دیا گیا ہے اور خود برادر مکرم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ امت کے اجماعی تعامل اور اہل سنت والجماعت کے علمی مسلمات کا دائرہ کراس کر کے آگے گمراہی کی سلطنت شروع ہو جاتی ہے اور ان مسلمات کے بالمقابل رائے وتفرد کو اگر سوسائٹی تک لے آیا جائے تو فکری انتشار کے ساتھ ایک نیا مکتب فکر جنم لیتا ہے۔ ہمارے فہم سے بالا ہے کہ جب اجماعی تعامل اور مسلمات کے بالمقابل کسی رائے اور ”تفرد“ کی عملی زندگی کے اندر گنجائش ہی نہیں اور وہ سوسائٹی میں آ کر فکری انتشار پیدا کر سکتی ہے تو اس رائے یا تفرد کے لیے کسی کا حق کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ ماضی کے تفردات کے ساتھ ہمارے اسلاف کا رویہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ اسے حق نہیں بلکہ معذوری تسلیم کرتے ہیں۔ بہر حال اس بحث سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ بقول عزیزم عمار اگر اجماع کی معروف ومانوس صورت پر حقیقی اجماع کا اطلاق ہی نہیں ہوتا تو اس کے بالمقابل رائے کو گمراہی یا تفرد قرار دے کر مسترد کیوں کیا گیا ہے؟ اور پھر ماضی کے تفردات کو جب قبول نہیں کیا گیا اور مستقبل کے تفردات کو بھی امت کی طرف سے قبول کرنے کا کوئی چانس نہیں ہے تو پھر ان پر اپنی انرجی ضائع کر کے امت کے اندر فکری انتشار پیدا کرنے اور خود کو امت کے اجتماعی علمی وفکری دھارے سے کاٹنا آخر کہاں کی دانش مندی ہے؟

وہ وقفِ خزاں ہی سہی ہم نفس
چمن پھر چمن ہے قفس پھر قفس

(حضرت والد مکرم مولانا عبد الحق خان بشیر دام مجدہم ”چوتھی دلیل شرعی......قیاس واجتہاد“ کے عنوان کے تحت حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی کتب سے حوالہ جات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:)

حضرت شیخ کے مذکورہ فرامین وحوالہ جات سے درج ذیل امور بڑی حد تک واضح ہو جاتے ہیں:

پہلا یہ کہ جمہور صحابہ کرامؓ اور اکثر امت کے نزدیک قیاس اصول شریعت میں سے ایک اصل اور دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے جو احکام ومسائل کے لیے مظہر ہے نہ کہ مثبت۔ اس کے ذریعہ کوئی حکم ومسئلہ ثابت نہیں کیا جا سکتا، صرف نصوص (قرآن، حدیث، اجماع) میں سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا یہ کہ قیاس صرف غیر منصوص مسائل میں ہو سکتا ہے اور وہ قیاس محمود بھی ہوگا اور مقبول بھی جب کہ

منصوص مسائل (یعنی قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت شدہ) میں قیاس واجتہاد کی کوئی گنجایش نہیں اور ایسا ہر قیاس جو ان نصوص کے خلاف یا ان کے مقابلہ میں ہو، مردود ہے۔ اسی طرح قیاس جلی کے مقابلہ میں بھی قیاس مردود ہے۔

تیسرا یہ کہ قیاس کا منکر ومخالف چونکہ مسلمہ اصول اربعہ میں سے ایک اصول کا منکر ومخالف ہے، اس لیے نہ تو وہ علمائے شریعت میں شامل ہے، اور نہ ہی وہ کسی عدالت شرعیہ کا قاضی بنایا جا سکتا ہے۔

چوتھا یہ کہ غیر منصوص مسائل میں بھی اجتہاد کرنا ہر کس وناکس کا حق نہیں اور نہ اس کی ہر ایک کو اجازت ہے، بلکہ یہ اجتہاد صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو مجتہد ہو اور اس کے اندر اجتہاد کی تمام شرائط پائی جائیں جو اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

پانچواں یہ کہ مجتہد اگر اپنے قیاس واجتہاد میں خطا کر جائے تو وہ فرمان نبوی کے مطابق معذور بھی ہے اور عنداللہ ماجور بھی، جبکہ غیر مجتہد اگر اپنے اجتہاد میں خطا کرے تو فرمان نبوی کی روشنی میں وہ جہنمی ہے۔

چھٹا یہ کہ مجتہد کے لیے بھی اصول دین، ضروریات دین اور عقائد شرعیہ میں اجتہاد کرنا جائز نہیں۔ اگر ان میں اجتہاد کرے گا (خواہ جہالت ولاعلمی کی بنا پر ہو) تو وہ اجتہاد مردود ہوگا، کیوں کہ یہ اس کے دائرۂ اجتہاد سے باہر ہے۔

ساتواں یہ کہ تقلید کا انحصار چونکہ اجتہاد پر ہے، لہٰذا جن مسائل میں اجتہاد جائز ہے، ان میں کسی مسلمہ مجتہد کی تقلید بھی جائز ہے اور جن مسائل میں اجتہاد ناجائز ہے، ان میں تقلید بھی مذموم، حرام اور بدعت ہے۔

آٹھواں یہ کہ جمہور اہل اسلام کا ساتھ چھوڑ کر یا ان کی مخالفت کر کے علیحدگی کا راستہ اختیار کرنے والا بھی ہرگز علمائے شریعت میں شامل وداخل نہیں۔

حضرت شیخ سے علمی وفکری نسبت رکھنے والے اصحاب علم وتحقیق کے لیے مندرجہ بالا امور کو اچھی طرح جاننا، سمجھنا اور ان پر گہری توجہ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

امام اہل سنت کا مسلک اعتدال......اور......عمار خان ناصر!

عزیزم عمار خان ناصر کافی عرصہ سے ڈاکٹر جاوید احمد غامدی کی روشن خیال تحریک سے وابستہ ہیں اور اس وابستگی کے بعد ان کا تمام تر مطالعہ غالباً اسی فکر ونظر کے حوالہ سے ہوتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت شیخ کی کتب کا مطالعہ بھی اسی تناظر میں کیا ہے اور اس مطالعہ کے ذریعہ حضرت شیخ کے فکر وموقف کو سمجھنے کی بجائے غامدی صاحب کے جدت پسندانہ طرز فکر کے لیے دفاعی مواد تلاش کرنے اور اس کے لیے جواز کی صورتیں پیدا کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ کی کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد عزیزم عمار کے قلم سے اس کا جو نتیجہ سامنے آیا ہے، اس میں حقیقت پسندانہ رنگ کہیں نظر نہیں

آتا اور شعوری یا غیر شعوری طور پر وہ حقیقی و واقعی نتیجہ اخذ کرنے سے محروم و قاصر رہے ہیں۔ غالباً ان کی اس ساری کاوش کا محور غامدی صاحب کی علمی حیثیت کو مسلم کرانا ہے۔ حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد ان کے کسی زیر تسوید مضمون کا ایک اقتباس ہفت روزہ ''وزارت'' لاہور کی ۱۰ تا ۲۳ رجون ۲۰۰۹ء کی اشاعت میں ''امام اہل سنتؒ کا مسلک اعتدال'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے جس میں فرماتے ہیں کہ :

''امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ اپنی آرا و نظریات میں جمہور اہل علم کے موقف کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے تھے۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ کسی بھی علمی یا فقہی مسئلہ میں جمہور امت جس رائے کی تائید کریں، وہ اقرب الی الحق اور قرین صواب ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں زیر بحث آنے والے کم وبیش تمام مسائل کی تحقیق میں اس زاویہ نگاہ کو ملحوظ رکھا ہے اور اپنے تلامذہ اور متعلقین کو بھی یہی ہدایت کرتے تھے کہ مختلف گمراہ کن نظریات کے اثرات سے بچنے کے لیے جمہور علماے امت کی تحقیقات کا دامن تھامے رکھنا ہی محفوظ ترین اور محتاط ترین راستہ ہے۔ تاہم اس معاملے کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے جسے وہ پورے اعتدال اور توازن کے ساتھ ملحوظ رکھتے تھے۔ وہ اس نکتہ کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے کہ بلند فکری اور ذہنی معیار رکھنے والے اہل علم اور محققین بسا اوقات کسی مسئلہ میں عام رائے پر اطمینان محسوس نہیں کرتے اور ان کا غور وفکر انہیں معروف و مانوس نقطہ نظر سے مختلف رجحان اختیار کرنے پر آمادہ کرسکتا ہے، چنانچہ وہ ایسے اہل علم کے لیے جن کی علمی حیثیت مسلم ہو، عام آرا سے اختلاف یا تفرد کا حق بھی پوری طرح تسلیم کرتے تھے، بشرطیکہ اس اختلاف کو علمی حدود میں رکھا جائے اور اس کی وجہ سے جمہور اہل علم پر طعن وتشنیع کا طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔''

اس کے بعد عزیزم عمار نے حضرت شیخؒ کی بعض کتب سے چند اقتباسات وعبارات اور ان پر اپنے اخذ کردہ ذہنی تاثرات نقل کیے ہیں اور آخر میں اپنا حتمی ذہنی نتیجہ بایں الفاظ بیان کیا ہے کہ :

''مذکورہ امور کی روشنی میں میرے نزدیک امام اہل سنت کے موقف اور نظریہ کی درست تعبیر یہ بنتی ہے کہ وہ اصولی طور پر جمہور اہل علم کی آرا و تعبیرات کو ہی درست سمجھتے اور اپنے لیے اس کی پابندی کو بالعموم ضروری تصور کرتے تھے، تاہم اہل علم کے لیے دلائل کی روشنی میں انفرادی رجحانات کا حق بھی تسلیم کرتے تھے اور جمہور سے محض علمی اختلاف کو اہل سنت کے منہج سے انحراف یا گمراہی قرار نہیں دیتے تھے۔''

عزیزم عمار کے ذہن نے حضرت شیخؒ کی چند عبارات سے جو نتائج اخذ کیے، وہ ہم نے بے کم وکاست نقل کر دیے ہیں۔ ہم ان نتائج پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

نکتہ اولیٰ : اس مقام پر سب سے پہلا قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ عزیزم عمار بڑے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ حضرت شیخؒ کا مختار، پسندیدہ اور تلقین کردہ مسلک وموقف اسلاف کی تحقیقات

سے وابستہ رہنے اور دوسروں کو ان سے وابستہ رکھنے ہی کا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ گمراہ کن نظریات اوران کے تباہ کن اثرات سے بچنے اور دیگر مسلمانوں کو ان سے بچانے کے لیے حضرت شیخؒ کے نزدیک جمہور علمائے امت کی تحقیقات وتعلیمات سے وابستگی ہی محفوظ ترین اور محتاط ترین راستہ ہے۔ اور حضرت شیخؒ کا یہ موقف ونظریہ کسی وقتی وہنگامی سوچ کا نتیجہ نہیں، بلکہ اس کے پیچھے ان کا ساٹھ سالہ تحقیق ومطالعہ اور غور وفکر کار فرما ہے۔ گویا یہ ان کے ساٹھ سالہ تحقیق ومطالعہ، غور وفکر اور تجربات ومشاہدات کا نچوڑ ہے۔ اس کے بعد بھی اگر ان پر علمی اعتماد کرنے والا کوئی شخص تحقیقات اسلاف کا محفوظ ومحتاط راستہ ترک کر کے کوئی غیر محفوظ وغیر محتاط راستہ تلاش کرے تو اسے کم سے کم درجہ میں اس کا غیر دانش مندانہ طرز ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

نکتہ ثانیہ: اس مقام پر دوسرا قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ حضرت شیخؒ کے نزدیک امت کے اجماعی مسلک اور جمہور امت کے مسلک میں بڑا واضح اور نمایاں فرق ہے۔ ان کے نزدیک اجماعی مسلک کا مطلب یہ ہے کہ اس موقف ونظریہ پر پوری امت متفق ہے اور اس میں پہلے سے کسی قسم کا کوئی اختلاف موجود نہیں۔ ایسے کسی اجماعی مسئلہ میں حضرت شیخؒ نہ صرف یہ کہ کسی کا حق اختلاف تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اختلاف کرنے والے کو گمراہ اور اہل سنت سے خارج قرار دیتے ہیں۔ اور مسلک جمہور سے ان کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں امت کے اہل علم وتحقیق کا اختلاف پایا گیا ہے اور اس اختلاف میں ایک طرف اہل علم کی اکثریت یعنی جمہور ہے اور دوسری طرف اہل علم کی ایک قلیل تعداد پائی گئی ہے۔ ایسے اختلافی مسائل میں حضرت شیخؒ خود بھی مسلک جمہور پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی مسلک جمہور پر عمل کرنے کی تلقین کرتے تھے، البتہ اگر کوئی اہل علم وتحقیق مسلک جمہور سے ہٹ کر کوئی دوسرا مسلک (جو پہلے موجود ہو) اختیار کرلے تو اسے گمراہ اور اہل سنت سے خارج قرار نہیں دیتے اور اسے مسلک جمہور اور جمہور ائمہ اہل سنت پر زبان طعن کھولنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ عزیزم عمار نے سماع الموتی ص ۶۴ سے حضرت شیخؒ کا یہ موقف نقل کیا ہے کہ ''ہم جمہور کو شرع کی پانچویں دلیل نہیں مانتے۔ ادلہ شرعیہ چار ہی ہیں''۔ گویا جمہور کے مسلک پر عمل کرنا شرعی دلیل کے حوالے سے نہیں بلکہ شرعی احتیاط کے طور پر ہے، کیونکہ ہم کتنے ہی ذہین وفطین کیوں نہ ہوں، جمہور اہل علم کی رائے، علم وفہم اور امانت ودیانت کے اعتبار سے بہر حال ہماری رائے پر فائق وبرتر ہے، اس لیے اسے قبول کر لینا ہی احتیاط کا تقاضا ہے اور ہمارے خیال میں اتبعوا السواد الاعظم کے فرمان نبوی میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ اختلافی مسائل میں امت کے سواد اعظم یعنی جمہور کی اتباع کی جائے۔

نکتہ ثالثہ: اس مقام پر تیسرا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ عزیزم عمار نے ایک جملہ اپنی عبارت میں ایسا لکھا ہے جس نے ہمیں چونکا دیا ہے اور اگر انہوں نے یہ جملہ شعوری طور پر لکھا ہے تو ہمارے نزدیک نہ صرف خطرناک ہے بلکہ گمراہ کن بھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''بلندی فکری وذہنی معیار رکھنے والے اہل علم وتحقیق اگر

معروف و مانوس موقف کے خلاف کوئی رائے قائم کر لیں''۔ اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیزم عمار کے نزدیک جمہور امت کے معروف و مانوس مسلک پر عمل کرنے والے اہل علم نہ تو بلندیٔ فکر رکھتے ہیں اور نہ ہی ان کا ذہنی معیار ہے۔ کس قدر حیرت و تعجب کی بات ہے کہ اسلاف امت کے فکر تک رسائی حاصل کرنے والے تو بلندیٔ فکر اور ذہنی معیار سے محروم ہیں اور اپنی ناقص و نارسا عقل سے سر ٹکرانے والے بلند فکر بھی ہیں اور ذہنی معیار بھی رکھتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ ہم عزیزم عمار کی توجہ بار بار اس خطرناک جملہ کی طرف دلانا چاہیں گے جس کا نتیجہ بظاہر یہ سامنے آتا ہے کہ دادا تو بلندیٔ فکر اور ذہنی معیار دونوں سے محروم تھا، جب کہ پوتا بلندیٔ فکر کی دولت سے مالا مال ہے اور ذہنی معیار کی نعمت سے بھی۔ اور ایسا شاید اس لیے ہو گیا ہے کہ دادا کی نسبت فکری طور پر اسلاف امت اور بزرگان دیوبند کی طرف ہے اور پوتا ڈاکٹر جاوید احمد غامدی جیسے مفکر اعظم سے فکری نسبت رکھتا ہے اور ان دونوں کا بھلا جوڑ ہی کیا ہے؟

ہم لاکھ مہذب ہوں مگر تم ہی بتاؤ
جب ضبط کا پیمانہ چھلکتا ہی چلا جائے

نکتہ رابعہ: اس مقام پر چوتھا قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ حضرت شیخؒ کے نزدیک دینی مسائل میں ہر کس و ناکس کو اپنی رائے قائم کرنے کا حق نہیں، بلکہ اس کے لیے علمی کمال اور فنی صلاحیت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ

> ''بلاشبہ ہر صاحب الرائے اور صائب الرائے کو غیر منصوص اور غیر اجماعی مسائل میں اپنی رائے پر عمل کرنے کا حق ہے، لیکن سلف صالحینؒ کا دامن چھوڑ کر اور خود رائے بن کر پانچواں سوار بننا بھی کسی طرح مستحسن نہیں۔'' (مودودی صاحب کا ایک غلط فتوی، ص ۴۶)

اور اپنے عظیم و شفیق استاد، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا عبد القدیرؒ کی کتاب ''تدقیق الکلام'' کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ

> ''مذہب اسلام کے مسائل دو حصوں میں منقسم ہیں: ایک اصول اور دوسرا فروع۔ اصول دین میں اختلاف انتہائی مذموم اور قبیح ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے آدمی یا تو سرے سے دین ہی سے خارج ہو جاتا ہے اور یا اہل حق سے کٹ کر اور ہٹ کر اہل بدعت کے فرقوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور فروع دین میں اختلاف اگر مجتہد سے رونما ہو تو وہ معذور بلکہ ماجور ہوگا اور اگر غیر مجتہد یہ کاروائی کرے اور اس میں تعصب مذہبی بھی شامل ہو تو وہ گنہگار ہوتا ہے۔ حضرات ائمہ دینؒ کے فروعی اختلاف سے، جو خالص دیانت اور خلوص نیت پر مبنی ہیں، کتب فقہ، شروح حدیث اور کتب تفسیر بھری پڑی ہیں۔ (تدقیق الکلام، ص ۹)

اور اپنے ایک مایہ ناز شاگرد حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیرویؒ کی کتاب ''نور الصباح فی ترک رفع

الیدین بعدالافتتاح'' کے پیش لفظ میں حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ

''مذہبی اختلافات اصولاً دوقسم کے ہیں۔ایک عقائد واصول کے، دوسرے اعمال وفروع کے۔اول قسم کے اختلاف بہر حال وبہر کیف مذموم اور زہر قاتل ہیں۔علم ودیانت کے ساتھ ہوں یا لاعلمی و نیک نیتی سے۔زہر کو اگر کوئی شخص زہر سمجھ کر کھائے، تب بھی اس کا اثر مرتب ہوگا اور اگر بے خبری میں اسے کھانڈ یا چورن سمجھ کر استعمال کرے، عالم اسباب میں پھر بھی اس کا اثر ضرور مرتب ہوگا۔اس لیے اصولی اور عقیدہ کے اختلاف میں علم ودیانت اور اجتہاد وقیاس کوئی چیز اس کی قباحت وشناعت میں کمی پیدانہیں کرتی اور ایسے اصولی اختلاف جن میں ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار یا تاویل ہو، یقیناً کفر اور قطعاً باعث ملامت وگرفت ہے۔رہے فروعی اختلاف تو ان میں خاصی تفصیل ہے جس کے لیے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں۔ان کا نہایت ہی مختصر الفاظ میں خلاصہ یہ ہے کہ اگر فرعی اختلاف ناشی عن دلیل ہو اور اختلاف کرنے والا مجتہد ہو اور اس کی دیانت وعدالت وتقویٰ وورع مسلم ہو اور اختلاف میں بھی حظ نفس اور اپنی خواہش کی پیروی میں نہ ہو اور نہ تن آسانی کے لیے اپنے نفس کے لیے سہولت مطلوب ہو تو ایسا مجتہد خطا کی صورت میں بھی صرف معذور ہی نہیں بلکہ صحیح احادیث کی روشنی میں ماجور بھی ہوگا۔اور اگر اختلاف کرنے والا اجتہاد وتفقہ کی کشتی کا پانچواں سوار ہو اور اختلاف میں حظ نفس اور تن آسانی بھی ملحوظ ہو تو اس کے قبیح ومذموم ہونے میں رتی بھر شک نہیں ہے۔اور جو احادیث ودلائل رائے اور قیاس کی مذمت میں وارد ہیں، وہ سب اسی صورت سے وابستہ اور متعلق ہیں۔لاشک فیہ۔'' (نورالصباح ص۱۰)

مذکورہ تینوں عبارات میں حضرت شیخ نے تین چیزیں دوٹوک الفاظ میں واضح کردی ہیں:

۱۔پہلی یہ کہ اصول دین یعنی منصوص اجماعی مسائل کے اندر کسی کو اختلاف کا حق نہیں، خواہ وہ مجتہد ہی کیوں نہ ہو، خواہ وہ اختلاف امانت ودیانت پر ہی مبنی کیوں نہ ہو، کیوں کہ ان میں اختلاف زہر کی مانند مہلک وخطرناک ہے۔ان میں اختلاف کرنے والا یا تو دین اسلام سے ہی خارج ہوجاتا ہے اور یا اہل سنت سے نکل کر اہل بدعت کے فرقوں میں شامل ہوجاتا ہے اور یہ اختلاف انتہائی مذموم وقبیح ہے۔

۲۔دوسری یہ کہ فروع دین یعنی غیر منصوص وغیر اجماعی مسائل میں کوئی رائے قائم کرنا ہر شخص کا حق نہیں، صرف مجتہد یعنی صاحب الرائے اور صائب الرائے کا حق ہے۔ایسا مجتہد جس کی عدالت ودیانت اور تقویٰ وورع مسلم ہو اور اس اختلاف کے پیچھے خواہش کی پیروی اور نفس کی سہولت بھی مطلوب نہ ہو، اگر ایسے مجتہد کی رائے غلط بھی ہوگی تو وہ معذور بھی ہوگا اور عنداللہ ماجور بھی۔اس کے برعکس اگر اختلاف کرنے والا کشتی اجتہاد کا پانچواں سوار ہو تو اس کی غلط رائے اسے گنہگار بھی بنا سکتی ہے۔

۳۔تیسری یہ کہ غیر منصوص وغیر اجماعی مسائل میں اگر سلف صالحین کی پہلے سے کوئی رائے موجود ہو تو اس

کے مقابلہ میں صاحب رائے کے لیے بھی کوئی نئی رائے قائم کرنا مستحسن نہیں۔البتہ اگر وہ کوئی نئی رائے قائم کر کے اس پر عمل کر گزرے تو اسے گمراہ بھی قرار نہیں دیا جائے گا۔

ان امور ثلاثہ پر اگر گہری توجہ دی جائے تو حضرت شیخؒ کا صرف موقف ونظریہ ہی نہیں بلکہ ان کا مکمل تحقیقی فکر وفلسفہ بہت واضح صورت میں نمایاں وآشکارا ہو جاتا ہے۔عزیزم عمار نے بھی اپنے مضمون کے اندر اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ حق اختلاف صرف ان اہل علم کا ہے جن کی علمی حیثیت مسلم ہے۔

جدید مفکرین کی علمی حیثیت!

مذکورہ امور ثلاثہ کی وضاحت کے بعد اب بحث کا یہ پہلو زیادہ توجہ طلب ہو جاتا ہے کہ کسی صاحب علم کی علمی حیثیت کو مسلمہ قرار دینے کے لیے آخر اتھارٹی کیا ہے؟ اور کسی کو صاحب الرائے اور صائب الرائے تسلیم کرنے کے لیے آخر کس پیمانہ کی ضرورت ہے؟ کیا اس کا دعویٰ اور اس کے چند حواریوں کا پروپیگنڈہ اس کی علمی حیثیت منوا سکتا ہے؟ کیا اس طرح واصل بن عطا اور ابو علی جبائی، ملا ابو الفضل، ملا فیضی اور سر سید احمد خان جیسے لوگوں کی علمی حیثیت مسلم ہو سکی؟ اگر عقل اور فطرت کے تقاضوں کی روشنی میں دیکھا، جانچا اور پرکھا جائے تو اس عقلی وفطری اصول سے کوئی بھی ذی ہوش انکار نہیں کر سکتا کہ جب تک سوسائٹی کے اندر معروف ومسلم اصحاب علم وفہم کی جماعت یا ان کی کثیر تعداد کسی کو علمی اعتبار سے مسلم اور صاحب رائے تسلیم نہ کرے، اس وقت تک اس کی علمی حیثیت مسلم نہیں ہو سکتی۔کم از کم اگر کسی ایک مکتب فکر کے اصحاب علم بھی اس کی ضمانت دے دیں تو اس مکتب فکر کی حد تک اس کی علمی حیثیت مسلم تسلیم کی جا سکتی ہے۔ہم فی الوقت صرف حضرت شیخؒ کے حوالہ سے دیکھنا چاہیں گے کہ وہ عصر حاضر کے جدید مفکرین میں سے کسی کی علمی حیثیت تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟

ہم گزشتہ اوراق میں مدلل وباحوالہ بحث کے ذریعے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت شیخؒ اصول وفروع میں اول وآخر سنی ہیں، اس لیے انہوں نے عصر حاضر کی ہر علمی شخصیت کو صرف اور صرف اصول اہل سنت کی روشنی میں ہی دیکھا، اسی روشنی میں اس کو جانچا اور پرکھا۔اگر علم وفہم کے ساتھ وہ اصول اہل سنت کی کسوٹی پر پورا اترا تو حضرت شیخؒ نے اس کی مسلمہ حیثیت کا برملا اعتراف کیا اور عرب وعجم کے ایسے بے شمار علما ہیں جن کی علمی حیثیت کا (ان کے بعض تفردات کے باوجود) حضرت شیخؒ نے اپنی کتب کے اندر تذکرہ کیا ہے، اس لیے کہ انہوں نے اصول اہل سنت کے دائرہ میں رہتے ہوئے صرف دلائل کی ترجیحات پر بعض مسائل میں اختلاف کیا۔اس کے برعکس برصغیر پاک وہند کے متعدد ایسے جدید مفکرین جو عقل وادبیت کے حوالہ سے ابھرے، جدید اصولوں اور نئی تحقیقات کا جال پھیلایا، لیکن حضرت شیخؒ نے اہل سنت کے اصولوں کے ساتھ ان کو جکڑا اور علمی وعوامی حلقوں میں ان کو بے نقاب کیا۔چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ

''جس طرح قرآن وحدیث اور دین اسلام کی باریکیوں کو حضرات ائمہ دین ؒ سمجھتے ہیں، ایسا کوئی اور نہیں سمجھ سکتا اور ان میں سے بھی علی الخصوص حضرات ائمہ اربعہ جن کے مذاہب مشہور ومتداول اور امت مسلمہ میں قابل اعتماد ہیں اور آج کل کے مادر پدر آزاد دور میں ملاحدہ وزنادقہ کو جو اسلام کے مدعی تو ہیں، مگر اسلام کی سمجھ ہی ان کو نہیں اور نہ وہ اس کی روح سے واقف ہیں۔ وہ صرف اپنی نارسا عقل وخرد پر نازاں اور فرحاں ہیں اور اسی کو وہ حرف آخر سمجھتے ہیں اور حضرات سلف ؒ پر طعن کرتے ہیں۔' (ختم نبوت قرآن وسنت کی روشنی میں، ص۴۲)

اور ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ:

''قرآن کریم کی صحیح فہم وبصیرت تو احادیث ومحدثین اور فقہا ومفسرین ؒ پر اعتماد کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔'' (انکار حدیث کے نتائج، ص۷۸)

حضرت شیخ کے مذکورہ فرامین کی روشنی میں یہ فرق واضح ہو چکا ہے کہ مولوی عبداللہ چکڑالوی، مولوی محمد علی لاہوری، چوہدری غلام احمد پرویز، حافظ محمد اسلم جیراج پوری، علامہ عنایت اللہ المشرقی، سید ابوالاعلیٰ مودودی جیسے جدید مفکرین (جنہوں نے جدید اصول وضع کر کے گمراہیاں پیدا کیں) کی علمی حیثیت کو حضرت شیخ قطعاً تسلیم نہیں کرتے، بلکہ انہیں ضال اور مضل قرار دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت شیخ کے طرز تحقیق کی روشنی میں دیگر جدید مفکرین کو بھی جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ اگر ان کے اصول تحقیق اور ان کا طرز تحقیق اکابر اور اسلاف سے ملتا ہے تو ان کی علمی حیثیت تسلیم کی جا سکتی ہے، ورنہ وہ بقول حضرت شیخ پانچواں سوار ہے۔

حضرت شیخ اکثر وبیشتر اپنے دروس واسباق میں مودودی صاحب اور ان جیسے دیگر جدید مفکرین کو پانچواں سوار قرار دیتے تھے۔ اصول الشاشی کے سبق کے دوران ایک طالب علم کے سوال پر اس کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ شاہی محل کے چار گھڑ سوار شاہی لباس میں ملبوس تیز رفتار گھوڑوں پر بڑی شان وشوکت کے ساتھ دہلی کی طرف رواں دواں تھے۔ ان کی شان وشوکت اور شاہی ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر راستہ میں ہر جگہ لوگ جمع ہو جاتے اور ان سے سوال کرتے کہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ وہ کہتے ہم دہلی جا رہے ہیں۔ ان کے پیچھے پیچھے ایک مفلوک الحال بوڑھا بوسیدہ لباس میں ملبوس، کمزور، لاغر اور مریل سے گدھے پر سوار چلا آ رہا تھا اور لوگوں کے پوچھے بغیر ہی شور مچا رہا تھا: میں بھی دہلی جا رہا ہوں، میں بھی دہلی جا رہا ہوں۔ وہ پانچواں سوار تھا۔

اس مثال سے حضرت شیخ کا مطلب یہ تھا کہ فقہا ومجتہدین اور علمائے امت تو علم وفہم کے برق رفتار گھوڑوں پر سوار ہیں، اصول اہل سنت کے شاہی لباس سے آراستہ ہیں، تقویٰ وقبولیت کی شان وشوکت سے مزین ہیں، اصحاب علم واہل ذوق کا ایک جم غفیر ان کی راہوں میں پلکیں بچھائے بیٹھا ہے، ان پر عقیدت ومحبت کے پھول نچھاور کر رہا ہے، ان کی تحقیقات وتعلیمات پر اعتماد کر رہا ہے اور ان کی تقلید واتباع کے

ذریعے اپنے عقائد واعمال کی آبیاری کر رہا ہے، جبکہ جدت پسند مفکرین کا طبقہ علم سے محروم اور عقل سے پیدل ہے، ان کا دامن اہل علم کے اعتماد سے خالی ہے اور ان کے ارد گرد دین سے چھٹکارا حاصل کر کے فرائض میں چھوٹ اور معیشت ومعاشرت میں آزادی تلاش کرنے والے مغرب زدہ ماڈرن مسلمانوں کا ہڑ بونگ ہے اور ظاہر بات ہے کہ صرف مطالعہ کے زور پر اصولوں میں تبدیلی، افکار میں تغیر، اسلاف پر عدم اعتماد اور لفظوں کے ہیر پھیر کو علم وتحقیق کا نام تو نہیں دیا جا سکتا۔

پہلی **غلطی** : عزیزم عمار خان ناصر نے اپنے مضمون کے اندر جس پہلی غلطی کا ارتکاب کیا ہے، وہ جمہور اہل علم کے معروف ومانوس نقطہ نظر سے الگ راستہ نکالنے کے جواز کی حضرت شیخؒ کی طرف نسبت ہے اور اس کے لیے انہوں نے حضرت شیخؒ کی چند ادھوری ومجمل عبارات سے جو تعبیر اخذ کی ہے، ہمارے خیال میں وہ سراسر خلاف حقیقت ہے۔ ہم گزشتہ سطور میں واضح کر چکے ہیں کہ حضرت شیخؒ اجماعی موقف اور جمہور کے موقف میں فرق کرتے ہیں جبکہ عزیزم عمار ان دونوں میں کوئی فرق ملحوظ نہیں رکھتے، کیوں کہ وہ اجماع قطعی کا وجود ہی تسلیم نہیں کرتے، اس لیے وہ اجماعی موقف اور جمہور کے موقف کو ایک ہی قرار دیتے ہیں۔ اس کی بحث گزشتہ سطور میں ہو چکی ہے۔

حضرت شیخؒ اور عزیزم عمار کے موقف میں اس واضح اختلاف کے بعد مذکورہ جواز کی حضرت شیخؒ کی طرف نسبت بالکل بے وقعت ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس سے یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ عزیزم عمار نے غالباً غیر شعوری طور پر یہ شبہ پیدا کر دیا ہے کہ حضرت شیخؒ ان مسائل میں بھی اختلاف کو جائز تسلیم کرتے ہیں جو ان کے نزدیک اجماعی ہیں، حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ اور عزیزم عمار نے بعض اکابر علما کے جمہور سے اختلاف کی جو مثالیں دی ہیں، وہ بھی ظاہر کرتی ہیں کہ اجماعی مسائل میں اختلاف کی گنجایش موجود ہے۔ لہٰذا جب تک یہ بات کنفرم نہ ہو جائے کہ عزیزم عمار اجماعی موقف اور جمہور کے موقف میں اسی طرح فرق کرتے ہیں جس طرح حضرت شیخؒ نے وہ فرق ملحوظ رکھا ہے، اس وقت تک مطلقاً جواز کی نسبت حضرت شیخؒ کی طرف نا قابل تسلیم ہے۔

دوسری غلطی: عزیزم عمار نے اپنے مضمون کے اندر جس دوسری بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے، اس میں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت شیخؒ مسلم علمی حیثیت رکھنے والے اہل علم کا جمہور اہل علم کے موقف (بہ الفاظ دیگر اجماعی موقف) سے اختلاف کا حق تسلیم کرتے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے حضرت شیخؒ کی کن عبارات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے، کیونکہ حق تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سلسلہ مستقبل میں بھی جاری رکھا جا سکتا ہے، حالانکہ یہ سراسر غلط ہے اور ہم اسے حضرت شیخؒ پر بہتان عظیم قرار دیتے ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے ماضی کے بعض اکابر کے تفردات کا حوالہ دیا ہے کہ ان بزرگوں نے بعض اجماعی مسائل میں

اختلاف کیا ہے، لیکن حضرت شیخ اس کے باوجود انہیں کافر یا اہل سنت سے خارج قرار نہیں دیتے۔ اس سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت شیخ ان کو اختلاف کا حق دیتے ہیں یا ان کا حق تسلیم کرتے ہیں۔ اس کا مطلب تو فقط اتنا ہے کہ ان بزرگوں کی غلطی کو غلطی تسلیم کر کے ان کی مسلمہ علمی حیثیت کے پیش نظر انہیں اہل سنت سے خارج قرار نہ دیا جائے۔ اور ان دونوں باتوں میں بعد المشر قین پایا جاتا ہے۔ اگر حضرت شیخ ان کی غلطی کو غلطی ہی تسلیم نہیں کرتے، پھر تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان کو اجماعی مسائل سے اختلاف کا حق دیتے ہیں، لیکن اگر وہ ان کی غلطی کو غلطی قرار دیتے ہیں، صرف ان کی بلند مقام شخصیت کی بنا پر ان کے خلاف فتویٰ نہیں دیتے تو کیونکر دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ ان کا حق اختلاف تسلیم کرتے ہیں؟ اور اس حقیقت سے عزیزم عمار بھی یقیناً واقف و باخبر ہوں گے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں بزرگ کا تفرد ہے تو اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ ہمارے لیے نا قابل تسلیم ہے۔ چنانچہ عزیزم عمار خود اپنے مضمون کے اندر حضرت شیخ کی کتاب ''دل کا سرور'' کے ص ۲۱۹ کے حوالہ سے حضرت شیخ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

> ''اگر کسی بزرگ کا قول کسی جگہ مجمل ہے تو ان ہی کی عبارت میں دوسری جگہ اس کی تفصیل بھی عموماً موجود ہے۔ اگر بالفرض اس کی کوئی مناسب تاویل آپ کو نہیں مل سکتی تو قرآن کریم اور احادیث اور اجماع امت کے مقابلہ میں ان کی وہ بات مردود ہوگی، نہ یہ کہ اس پر دین کی اور خصوصاً عقیدہ کی عمارت استوار ہو سکتی ہے۔''

عزیزم عمار اپنے ہی نقل کردہ اس حوالہ پر بغور توجہ دیں کہ حضرت شیخ اجماع امت کے خلاف کسی موقف کو غلط و مردود قرار دے رہے ہیں یا اس موقف کو اختیار کرنے والوں کا حق اختلاف تسلیم کرتے ہیں؟

تیسری غلطی :عزیزم عمار نے اپنے مضمون کے اندر جس تیسری بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے، اس میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت شیخ اجماعی مسائل میں علمی اختلاف کو اہل سنت کے منہج سے انحراف یا گمراہی قرار نہیں دیتے تھے۔ حضرت شیخ کی کتب و تصانیف اور تحقیقات سے گہری واقفیت رکھنے والے حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ عزیزم عمار کا یہ موقف و دعویٰ بھی سراسر خلاف حقیقت ہے، کیونکہ عصر حاضر کے مختلف فتنوں کے غیر اجماعی نظریات اور اجماع امت کے خلاف ان کے افکار باطلہ کا رد حضرت شیخ نے اجماع امت کے حوالہ سے کیا ہے۔ سید عنایت اللہ شاہ بخاری نے جب مسئلہ حیات النبی اور سماع الموتی عند القبر سے اختلاف کیا اور امت کے اجماعی موقف کے خلاف الگ رائے قائم کی تو مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مفتی سید مہدی حسنؒ نے ان کے خلاف فتویٰ دیا کہ :

> ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود ہیں اور حیات ہیں۔ آپ کے مزار پر پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے، آپ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ جو اس کے خلاف

کہتا ہے، وہ غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے۔ خارج اہل السنۃ والجماعۃ ہے، خراب عقیدہ والا ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔''

اس فتویٰ پر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ (جامعہ اشرفیہ، لاہور) حضرت مولانا مفتی ضیاء الحق (جامعہ اشرفیہ) حضرت مولانا رسول خان ہزاروی (جامعہ اشرفیہ) کے علاوہ حضرت شیخ کے بھی دستخط موجود ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شیخ پر یہ الزام سراسر غلط و بے بنیاد ہے کہ وہ اجماعی مسائل میں اختلاف کرنے والوں کو اہل سنت سے خارج و گمراہ قرار نہیں دیتے۔

چوتھی غلطی: عزیزم عمار نے اپنے مضمون کے اندر جس چوتھی بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے، اس میں انہوں نے بعض ایسی بزرگ شخصیات کا تذکرہ کیا ہے جو بعض اجماعی نظریات سے اختلاف رکھتی ہیں، لیکن حضرت شیخ نے ان کا تذکرہ بڑے ادب اور احترام سے کیا ہے۔ ہمارے خیال میں عزیزم عمار اس مقام پر نہ تو مسئلہ کی حقیقی واقعیت کو سامنے رکھ سکے ہیں اور نہ حضرت شیخ کے تحقیقی مزاج کو۔ اس پر ہم مختلف پہلوؤں سے کچھ عرض کرنا چاہیں گے۔

۱۔ائمہ اہل سنت اصطلاحات کے حوالہ سے تفرد اور ضلالت میں فرق کرتے ہیں، حالانکہ ظاہری طور پر ان دونوں کے پیچھے غلطی ایک ہی جیسی ہوتی ہے۔ دونوں کے پیچھے منصوص و اجماعی مسائل سے اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن جس کی غلطی کو تفرد قرار دیا جاتا ہے، اس پر گمراہی کا فتویٰ لاگو نہیں ہوتا اور جس کی غلطی کو ضلالت قرار دیا جاتا ہے، اس پر گمراہی کا فتویٰ لاگو ہوتا ہے۔ صاحب تفرد کے پیچھے ذہنی طور پر بد دیانتی کا عمل دخل نہیں ہوتا، جبکہ صاحب ضلالت کے پیچھے ذہنی بد دیانتی ہی کار فرما ہوتی ہے۔ اگرچہ کسی کی ذہنی نیت کا معلوم کرنا آسان نہیں، لیکن ہمارے خیال میں دو طریقوں سے اس اندازہ و تخمینہ لگایا جا سکتا ہے۔ پہلا یہ کہ اسلاف امت کے حوالہ سے دیکھا جائے کہ وہ غلطی کو تفرد اور اس کے مرتکب کو اہل سنت قرار دیتے ہیں یا وہ غلطی کو ضلالت اور اس کے مرتکب کو گمراہ قرار دیتے ہیں۔ ہمارے حضرت شیخ نے اسی پیمانہ کو اپنایا ہے، جیسا کہ خود عزیزم عمار نے راہ ہدایت ص ۱۲۱ کے حوالہ سے حضرت شیخ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

> ''اکثر اہل بدعت مشہور محدث حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ کی رفیع شان میں بہت ہی گستاخی کرتے ہیں مگر ملا علی قاری الحنفیؒ ان دونوں بزرگوں کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ یہ دونوں اہل السنّت والجماعت کے اکابر ہیں اور اس امت کے اولیا میں تھے۔''

گویا حضرت شیخ بزرگان دین کی اغلاط کے بارے میں کوئی نظریہ قائم کرنے کے لیے بھی بزرگان دین ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ یقیناً عزیزم عمار کی یہ غلط فہمی اب دور ہو گئی ہو گی کہ حضرت شیخ نے امام ابن تیمیہ، امام حافظ ابن قیم، علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون، علامہ ابن حزم ظاہری وغیرہ بزرگان دین کا تذکرہ ان

کے تفردات کے باوجود ادب واحترام کے ساتھ کیوں کیا ہے؟ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی اجماعی نظریہ کے خلاف رائے قائم کر کے غلطی کرنے والے کے طرز عمل کا جائزہ لیا جائے کہ اس نے اپنی اس غلط رائے کا اپنی تقریر یا تحریر میں صرف اظہار کیا ہے یا اس کی شاعت وترویج کے لیے کوئی ادارہ یا جماعت بھی قائم کی ہے اور اپنی فکری وعملی صلاحیتیں اس کو فروغ دینے کے لیے صرف بھی کی ہیں۔ ہمارے خیال میں جس بزرگ نے صرف اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور اس کے فروغ واشاعت کے لیے اپنی توانائیاں صرف نہیں کیں، ان کی اس رائے کو تفرد ہی قرار دیا گیا ہے اور ایسے کسی بزرگ کے حوالے سے ہمیں تاریخ کے اندر تفردات کے فروغ کے لیے کسی تحریک، کسی جماعت، کسی ادارہ اور کسی مستقل گروہ کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے اپنے نظریات کا صرف اظہار نہیں کیا بلکہ ان کے فروغ کے لیے جماعتیں، ادارے، گروہ اور تحریکیں پیدا کی ہیں، اپنی ہر قسم کی توانائیاں اس کی اشاعت کے لیے صرف کی ہیں اور اہل حق کے خلاف مناظرانہ اور مجادلانہ محاذ آرائی قائم کی ہے، اجماعی وجمہوری موقف کو غلط وباطل قرار دینے کی کوشش کی ہے، ان کی اغلاط کو ضلالت وگمراہی اور الحاد وزندقہ ہی قرار دیا گیا ہے۔ ماضی کی خوارج، معتزلہ، روافض، جبریہ، قدریہ، کرامیہ اور خلق قرآن وغیرہ تحریکیں اور حال کی اہل قرآن (منکرین حدیث) خاکسار، مودودی صاحب کی جماعت اسلامی، منکرین حیات انبیاوغیرہ تحریکیں اسی زمرہ میں شمار ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر جاوید احمد غامدی (باوجود اس کے کہ ان کی علمی حیثیت کم از کم حضرت شیخ کے مسلک میں تو مسلم نہیں ہے) کے طرز عمل، ان کے ادارہ کے قیام اور مختلف ٹی وی چینلز پر ان کی طرف سے اپنے نظریات کی اشاعت وترویج کے حوالے سے عزیزم عمار خود فیصلہ کریں کہ ان کی اغلاط اور اجماع امت کے خلاف ان کی آرا تفردات میں شمار ہوں گی یا ضلالت میں؟

۲۔ عصر حاضر کی بعض شخصیات علامہ شبلی نعمانی، مولانا امین احسن اصلاحی اور نواب صدیق حسن خانؒ وغیرہ کے بارہ میں حضرت شیخ کے تعریفی کلمات کا حوالہ دیتے ہوئے عزیزم عمار نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حضرت شیخ اہل علم کے لیے حق اختلاف تسلیم کرتے تھے۔ یہ فلسفہ ہمارے لیے ناقابل فہم ہے کہ نواب صدیق حسن خانؒ کے تفردات کو تفردات تسلیم کرتے ہوئے ان کے حق اور صحیح موقف سے استدلال کرنے سے ان کا حق اختلاف کیسے ثابت ہوتا ہے؟ علامہ شبلی نعمانیؒ کے کلامی مسائل میں معتزلی ہونے سے ان کو مشہور ومعتبر مورخ تسلیم کر لینا ان کے معتزلی مسائل وموقف کے جواز کا ثبوت کیسے بن جاتا ہے؟ اور مولانا امین احسن اصلاحی کو ''حضرت مولانا'' لکھ دینے سے ان کا جمہور واجماع سے حق اختلاف کیونکر ثابت ہو سکتا ہے۔

ہمارے خیال میں عزیزم عمار حضرت شیخ کے تحقیقی وتصنیفی مزاج سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں، اس لیے ان کے قلم سے سامنے آنے والے چند تعریفی کلمات سے وہ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانیؒ کے افکار پر حضرت شیخ نے قلم نہیں اٹھایا۔ ان کے لیے علامہ کا لقب یا لفظ استعمال کیا تو عزیزم عمار نے فوراً ایک

تعبیر اخذ کر لی، لیکن اگر وہ حضرت شیخؒ کی جملہ تصانیف کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ حضرت شیخؒ نے علامہ عنایت اللہ المشرقی کے لیے بھی علامہ کا لقب استعمال کیا ہے، حالانکہ ان کے افکار ونظریات پر شدید ترین گرفت کرتے ہوئے وہ ان کو منکر حدیث قرار دیتے ہیں اور اس کی متعدد مزید مثالیں حضرت شیخؒ کی کتب میں موجود ہیں۔ مولانا، مولوی اور مفتی وغیرہ الفاظ تعظیم کی علامت ہیں، لیکن حضرت شیخؒ ان لوگوں کے لیے بھی انھیں استعمال کرتے ہیں جن پر اعتقادی گرفت کر رہے ہوتے ہیں۔

یہ طرز وفلسفہ عزیزم عمار کے بچگانہ اور ناتجربہ کارانہ ذہن کو شاید ایسے ہضم نہ ہو، ہم اس کی مثال دے کر انہیں سمجھانا چاہتے ہیں۔ ہم نے جب اپنی زندگی کی پہلی تصنیف ''فتویٰ امام ربانی برمرزا غلام احمد قادیانی'' کا مسودہ اصلاح کے لیے حضرت شیخؒ کی خدمت میں بھیجا تو اس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں وہی طرز اختیار کیا گیا تھا جسے تحریری لفظی یا عملی انتہا پسندی قرار دیا جا سکتا ہے۔ جب مسودہ کی اصلاح ہو چکی تو ہمیں طلب کیا گیا اور اپنے سامنے ہی مسودہ چیک کرنے کا حکم دیا گیا۔ کاغذات الٹ پلٹ کر دیکھے تو ہر جگہ مرزا قادیانی کے بارے میں ہمارے لفظی جذبات مقطوع ہو چکے تھے اور ہر جگہ ایک ہی جملہ لکھا تھا: ''مرزا صاحب نے یہ کہا'' یا ''مرزا صاحب نے یہ لکھا۔'' جب تک ہم کاغذات کو الٹتے پلٹتے رہے، نگاہیں ہمارے چہرے پر مرکوز رہیں اور قلبی تاثرات کا چہرے سے جائزہ لیا جاتا رہا اور پھر سادہ سے انداز میں ایک نصیحت کی گئی: ''تحریر کے اندر اپنے موقف ونظریہ کو بے لچک انداز میں پیش کرو، مگر مخاطب کی شخصی حیثیت کا ضرور لحاظ رکھو تاکہ تمہاری تحریر کو پڑھنے والا اسے ذاتی وشخصی عناد وبغض پر محمول نہ کر سکے۔'' اس ایک بہت ہی سادہ اور جاندار جملہ سے عزیزم عمار حضرت شیخؒ کے تصنیفی وتالیفی مزاج سے یہ بات کافی حد تک سمجھ گئے ہوں گے کہ کسی شخصیت کے بارہ میں تعظیمی وتکریمی الفاظ استعمال کرنے سے حضرت شیخؒ کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہوتا کہ کسی اجماعی موقف کے خلاف وہ اس کا حق اختلاف تسلیم کر رہے ہیں۔

۳۔ شیخ الصوفیاء محی الدین ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور اس کے بارے میں حضرت شیخؒ کا موقف (کہ اس نظریہ کو کھینچ تان کر ہی قرآن وسنت کے مطابق بنایا جا سکتا ہے) نقل کرنے کے بعد عزیزم عمار لکھتے ہیں کہ ان کا تذکرہ بھی اپنی تصانیف کے اندر حضرت شیخؒ بے حد احترام کے ساتھ کرتے ہیں۔ اگر عزیزم عمار نے حضرت شیخؒ سے جو اسباق پڑھے ہیں، انہیں پوری توجہ سے سنا ہے تو انہیں معلوم ہوگا کہ حضرت شیخؒ صوفیائے کرام کی بعض اصطلاحات اور ان کی مبہم تعبیرات سے شدید اختلاف رکھتے ہوئے اکثر ایک جملہ فرمایا کرتے تھے: ''قول صوفی حجت نیست''، یعنی وہ صوفیائے کرام کے ایسے اقوال وتعبیرات کو جو اجماع کے خلاف ہیں، حجت تسلیم نہیں کرتے البتہ ان کا ادب واحترام پوری طرح ملحوظ رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ

''اور حضرت مجدد الف ثانیؒ (مکتوبات، دفتر اول ص ۳۳۵) میں لکھتے ہیں کہ عمل صوفیہ درحل وحرمت سند نیست، ہمیں بس است کہ ایشاں را معذور داریم وملامت نہ کنیم۔ جب حلال وحرام کے مسئلہ میں صوفیاے کرام کی بات حجت اور سند نہیں تو عقائد میں ان کی گول مول اور مجمل باتیں کب قابل قبول ہوں گی؟ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار ص ۹۳ میں لکھتے ہیں کہ ''مشرب پیر حجت نیست، دلیل از کتاب وسنت می باید''۔ جب پیر کی بات سرے سے حجت ہی نہیں، بلکہ کتاب وسنت سے استدلال کرنا ضروری ہے تو نہ معلوم ان کی بات سے عقائد کا اثبات اور پھر قرآن کریم کا مقابلہ کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ اور حضرت شاہ ولی اللہ بھی ''البلاغ المبین'' المنسوب بشاہ ولی اللہؒ میں صاف طور پر اس کی تصریح کرتے ہیں کہ کسی پیر اور صوفی کی بات حجت نہیں ہوسکتی۔ قرآن کریم اور حضرات صحابہ کرام کی اتباع ہی ایمان ہے اور اسی میں سلامتی ہے۔ اب جو صاحب اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کریں، ان کو یہ بات اچھی طرح مدنظر رکھنی چاہیے کہ ایسے اہم مسئلہ پر کسی بزرگ کا کوئی قول حجت نہیں، بلکہ خود خبر واحد صحیح بھی حجت نہیں، اور قرآن کریم (اور حدیث متواتر) کے مقابلہ میں اس کا پیش کرنا محض پرزہ بافی ہے۔'' (آنکھوں کی ٹھنڈک، ص ۲۵۔۲۶)

حضرت شیخ اس مقام پر تین ایسے بزرگوں کے حوالے نقل کر رہے ہیں جو ارباب شریعت بھی ہیں اور اصحاب طریقت بھی اور تینوں اس بات پر متفق ہیں کہ حلال وحرام اور عقائد وافکار میں پیر اور صوفی کی بات حجت نہیں، اور حضرت مجدد الف ثانیؒ ساتھ اس بات کی وضاحت بھی فرما رہے ہیں کہ صوفیاے کرام کی بات حجت وسند نہ ہونے کے باوجود ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور انہیں ملامت نہ کریں۔ اس مختصر مگر مدلل بحث کے بعد ہمارے لیے یہ بات قطعی طور پر ناقابل فہم ہے کہ جو شخص برملا اور علانیہ طور پر ''قول صوفی حجت نیست'' کا فتویٰ دیتا ہو، اس فتویٰ پر اکابر واسلاف کے حوالہ جات ودلائل پیش کرتا ہو، اس پر یہ الزام کیونکر درست تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ وہ اجماعی عقائد وافکار اور مسائل واحکام کے خلاف صوفیاے کرام کا حق اختلاف تسلیم کرتا ہوگا؟

یہ جو راہ تیری طویل ہے، تری گمرہی کی دلیل ہے
تری منزلیں ہیں وہیں کہیں ترا رخ جدھر نہیں ہو رہا

۴۔ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بارے میں حضرت شیخ کے ایک مکتوب (بنام مولانا مشتاق احمد چنیوٹی مدظلہ) کا حوالہ بھی عزیزم نے دیا ہے جس میں حضرت شیخ نے فرمایا ہے کہ ''مولانا سندھیؒ کے بعض نظریات سے اختلاف تو کیا جاسکتا ہے، لیکن ان پر کوئی فتویٰ نہیں لگتا۔''

اس مکتوب سے بھی عزیزم عمار نے اجماعی مسائل کے اندر اہل علم کا حق اختلاف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس بارے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت سندھیؒ کے افکار ونظریات پر ہم گزشتہ چھ سال سے مسلسل

تحقیق کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے بارے میں مختلف اہل علم کی طرف سے یہ تو کہا گیا ہے کہ ان کے بعض نظریات درست نہیں تھے یا ان کے بعض نظریات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے یا ان کی بعض آرا مرجوح وشاذ ہیں، لیکن وہ آرا ونظریات کس نوعیت کے ہیں؟ اس پر کوئی محقق بحث نہیں ملتی اور ہمیں تلاش بسیار کے باوجود ان کا کوئی ایسا نظریہ دستیاب نہیں ہو سکا جو عقیدہ سے متعلق ہو، اجماع امت کے خلاف ہو اور علم وتحقیق کے حوالے سے کسی مستند ومعتمد ذریعے سے ثابت ہو۔ محض املائی تقاریر وتفاسیر پر کس حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے، اصحاب علم وتحقیق اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔

حضرت سندھیؒ کی شخصیت ونظریات کے بارے میں حضرت شیخؒ کے ساتھ ہماری تقریباً تین طویل نشستیں ہوئیں۔ حضرت شیخؒ کا موقف یہ تھا کہ ہمارے بعض اکابر علما حضرت سندھیؒ کے بعض نظریات سے اختلاف رکھتے تھے، لیکن حضرت سندھیؒ کا کسی اجماعی عقیدہ سے اختلاف میرے علم میں نہیں۔ اس موضوع پر ہماری تفصیلی کتاب زیر ترتیب ہے جس میں ہم ان شاء اللہ اس موضوع پر مدلل بحث کریں گے۔ لیکن اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت سندھیؒ بعض اجماعی نظریات سے اختلاف رکھتے تھے تو بھی حضرت شیخؒ کے مکتوبہ جملہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ تفردات کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ اس سے اہل علم کا اجماعی مسائل وعقائد میں حق اختلاف ثابت ہوتا ہے، سراسر خلاف حقیقت ہے۔

۵۔ مضمون کے اندر عزیزم عمار نے حضرت شیخؒ کے ساتھ اپنی ایک ملاقات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ وہ اس کی تفصیلات بایں الفاظ بیان کرتے ہیں کہ:

> ''وفات سے چند ماہ قبل کی بات ہے کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گفتگو کے دوران میں نے کہا کہ آپ علمی مسائل میں جمہور کی رائے کی پابندی پر بہت اصرار کرتے ہیں، لیکن بہت سے اکابر اہل علم مثلاً امام ابن تیمیہؒ کے ہاں متعدد مسائل میں عام موقف سے ہٹ کر رائے پیش کرنے کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ (امام ابن تیمیہؒ کی ایسی آرا کی تعداد تین درجن کے قریب شمار کی گئی ہے) کیا یہ حضرات جمہور کی رائے کی اہمیت سے واقف نہیں تھے؟ اور کیا ان کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی منفرد رائے قائم کریں؟ انہوں نے فرمایا، ہاں۔ میں نے پوچھا کہ کیا ایسا کرنے سے وہ گمراہی کا ارتکاب کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ میں نے کہا کہ کیا ایسا کرنے کے باوجود وہ اہل سنت کے دائرے ہی میں رہتے ہیں؟ انہوں نے کہا، ہاں۔''

ہم نے عزیزم عمار کے الفاظ میں وہ گفتگو بے کم وکاست نقل کر دی ہے۔ اس پوری گفتگو سے دو چیزیں واضح ہو رہی ہیں۔ پہلی یہ کہ حضرت شیخؒ جو کچھ فرما رہے ہیں، وہ امام ابن تیمیہ کی علمی حیثیت وشخصیت کے حوالہ سے فرما رہے ہیں۔ ان کی آڑ میں عصر حاضر کی کسی شخصیت کے لیے حق اختلاف کا جواز نکالنا درست نہ ہوگا۔

دوسری یہ کہ سوال کی روشنی میں حضرت شیخ کا یہ موقف صرف جمہور کے موقف سے حق اختلاف کا ہے، نہ کہ اجماعی موقف سے، کیونکہ اجماعی مسائل کے اندر حضرت شیخ نہ کسی بڑے کا حق اختلاف تسلیم کرتے ہیں نہ کسی چھوٹے کا، جیسا کہ اس کی کچھ بحث گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔

حاصل بحث!

عزیزم عمار ناصر کے مضمون میں اٹھائے گئے جملہ امور سے حاصل بحث کے طور پر درج ذیل چیزیں واضح ہوجاتی ہیں:

۱۔حضرت شیخ امت کے اجماعی موقف اور جمہور کے موقف میں فرق کرتے ہیں۔

۲۔امت کے اجماعی موقف ونظریہ میں اختلاف کی کوئی گنجایش تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اجماعی موقف سے اختلاف کرنے والے کو دین سے خارج یا اہل سنت سے خارج اور بدعتی قرار دیتے ہیں۔

۳۔ ماضی میں اگر کسی نے اجماعی موقف سے اختلاف کیا ہے اور اختلاف کرنے والے کے علم ودیانت کی اسلاف امت کے ہاں شہادت پائی گئی ہے تو اس کے اختلاف کو تفرد قرار دیتے ہیں اور اس کی علمی حیثیت وشخصیت کا پورا ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہیں۔

۴۔حضرت شیخ کا مختار، پسندیدہ اور تلقین کردہ مسلک یہی ہے کہ جمہور اہل علم کی تحقیقات وتعلیمات سے وابستہ رہیں اور دوسروں کو بھی اس سے وابستہ رکھیں۔

۵۔اگر کوئی مسلم صاحب علم جمہور کے موقف کے خلاف غیر جمہور کے موقف کو اپنائے یا اس کے خلاف اپنی تحقیق ورائے پر عمل کرے تو اسے جائز قرار دیتے ہیں، لیکن غیر مستحسن۔

۶۔غیر اجماعی مسائل میں جمہور اہل علم سے اختلاف کا حق ہر کس وناکس کو نہیں دیتے، بلکہ صرف ان اہل علم کو دیتے ہیں جو صاحب الرائے اور صائب الرائے ہیں اور ان کی علمی حیثیت مسلم ہے۔

۷۔صاحب الرائے اور صائب الرائے کو رائے کی غلطی میں معذور وماجور مانتے ہیں، جبکہ غیر مجتہد کی رائے کی غلطی کو گناہ قرار دیتے ہیں۔

۸۔عصر حاضر کے تمام جدید مفکرین غلام احمد پرویز، عنایت اللہ المشرقی، عبداللہ چکڑالوی، ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کے طرز کے دیگر جدت پسندوں کو نہ اہل علم تسلیم کرتے ہیں نہ صاحب الرائے اور نہ صائب الرائے بلکہ وہ ان سب کو پانچواں سوار قرار دیتے ہیں۔



مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

مولانا محمد فیاض خان سواتی......کی......خدمت میں!

جناب جاوید احمد غامدی اور ان کا حلقۂ فکر بہت سے مسائل میں جمہور امت سے جداگانہ اور متضاد مؤقف رکھتے ہیں، ان مسائل میں رجم کی سزا کا انکار، دجال کی شخصیت کا انکار، مرتد کی سزا کی تکذیب، مجسمہ سازی، فوٹو گرافی، تصویر سازی وغیرہ کو تمدن کی لازمی ضرورت قرار دینا، عورت کے بغیر محرم حج پر جانے کے جواز کا فتویٰ، عورت کی امامت کے لیے سندِ جواز پیش کرنا، خبرِ واحد، تصورِ سنت کے متعلق مختلف نکتۂ نظر، جہاد کے بارے میں الگ خیال وغیرہ شامل ہیں۔ غامدی مکتبۂ فکر ان تمام گمراہ کن افکار کو پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ، تحقیق، ریسرچ اور قرآن وسنت کی جدید تعبیر کے عنوان سے فروغ دے رہا ہے، ظاہر ہے یہ نظریات ایسے نہیں جنہیں نظر انداز کر دیا جائے، بلکہ اہل السنۃ والجماعۃ سے وابستہ ہر فرد پر بالعموم اور دینی مقتداؤں پر بالخصوص یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بساط بھر ان افکار کے اثرات زائل کرنے کی کوشش کریں، فکری بے رہروی اور ذہنی کجروی جنم دینے والے ان نظریات کی تردید اور روک تھام کے لیے بھرپور کاوشیں بروئے کار لائیں اور امت کی رہنمائی کے لیے ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان سے عہدہ برا ہوں۔

حضرت مولانا ابو احمد نور محمد تونسوی دامت برکاتہم العالیہ نے حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ کی صلاحیتوں کے پیشِ نظر انہیں ردِ غامدیت کے میدان میں اترنے کا مشورہ دیا، مولانا راشدی مدظلہ اس میدان میں اس سے پیشتر بھی قابلِ ستائش اور لائقِ رشک کارکردگی کا مظاہرہ کر چکے ہیں۔ تاہم اس کام کو جاری رکھنے اور مزید کارنامے سرانجام دینے کا مشورہ دینا کوئی بری بات نہیں مگر نامعلوم مولانا فیاض خان سواتی صاحب کو یہ مشورہ کیوں کر ناگوار گزرا کہ انہوں نے حضرت تونسوی صاحب مدظلہٗ کے اس مشورہ کو ''غیر دانشمندانہ'' قرار دے دیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں ''جو آدمی مغرب کی فکری یلغار کے مقابلہ میں مسلسل کام کر رہا ہو اور اس کا متبادل بھی کہیں دور دور تک نظر نہ آتا ہو، تو اسے اپنے محاذ سے ہٹا کر دوسری طرف (ردِ غامدیت کی طرف) متوجہ کرنا میری ناقص رائے کے مطابق کوئی دانشمندی کی بات نہ ہوگی۔'' (ماہنامہ نصرۃ العلوم جنوری ۲۰۱۰ء، صفحہ ۴۹)

حضرت تونسوی مدظلہٗ کے مشورہ پر ''غیر دانشمندی'' کا فتویٰ سرزد کرتے ہوئے سواتی صاحب نے نہ تو تونسوی صاحب کے مقام کا لحاظ کیا اور نہ اس بات کا خیال کیا کہ مشورہ کس وقیع اور باسعادت کام کا ہے۔ کیا کسی کو تحفظِ سنت، احکام وحدودِ خداوندی کے دفاع اور منکرات کے قلع قمع کا مشورہ دینا غیر دانشمندی ہے؟ یا کسی کا اس موضوع پر کام کرنا ایک غیر دانشمندانہ فعل کا ارتکاب کرنا ہے؟ کیا یہ موضوعات مغرب کی فکری یلغار کا اہم حصہ نہیں؟ کیا سنت کا تحفظ اور احکام وحدود خداوندی کا علمی وقلمی دفاع ایک باصلاحیت شیخ الحدیث کے فرائض میں شامل نہیں ہے؟ کیا حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی جانشینی کے تقاضوں میں ہر قسم کے فتنوں کا تعاقب شامل نہیں ہے؟ کیا مولانا راشدی مدظلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیتیں ودیعت نہیں رکھیں کہ وہ فتنوں کی ہر داخلی وخارجی یلغار کے آگے سینہ سپر ہوں؟ جب فتنوں کا تعاقب حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی جانشینی کا حق بھی ہے اور حضرت راشدی صاحب میں اس کی صلاحیت بھی ہے تو پھر سواتی صاحب کیونکر راشدی صاحب کو اس سعادت کو مزید حاصل کرنے سے محروم کرنا چاہتے ہیں؟ انہیں کن مقاصد کے تحت ان موضوعات سے روگردانی کی ترغیب دی جارہی ہے؟ کیا سواتی صاحب اپنی اس روش پر نظرِ ثانی فرمانے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے کہ وہ راشدی صاحب کو کتنے عظیم کام سے صرفِ نظر کرنے پر برانگیختہ کر رہے ہیں؟ اور اس غیر معمولی کام کی اہمیت کو کیونکر کم کر رہے ہیں؟

سواتی صاحب کا یہ لکھنا کہ ''اب یہ کام میرا اور آپ کا ہے'' معاف کرنا آپ کا طرز تو کسی اور طرف غمازی کر رہا ہے۔ اپنے بعض نسبتی رشتہ داروں کے دفاع کی طرف ہمہ تن توجہ،...... اکابر علماء سے مخاطب ہونے کا نامناسب انداز...... اور مسلکی خدمت کو درخورِ اعتناء نہ سمجھنا یا اتنی اہمیت نہ دینا وغیرہ...... اس صورت حال میں کوئی توقع رکھے تو کیسے رکھے کہ آپ فتنوں کے تعاقب کو اپنا کام سمجھتے ہیں۔ بات یہ نہیں کہ آنجناب میں صلاحیت نہیں تاہم ؎ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

باقی گمراہ کن کتب پر تقریظات لکھنا اگر کسی کی نگاہ میں نہیں کھٹکتا یا اس کے نقصانات کسی کو نظر نہیں آتے یا کسی کتاب پر تبصرہ لکھنے اور تقریظ لکھنے میں کوئی فرق نہیں کرسکتا تو اس کا تعلق اس کے اپنے زاویہ نگاہ سے ہے تاہم جو حضرات علماء تقریظ لکھنے کے حق میں نہیں اور اس کو مضرت کا باعث سمجھتے ہیں ان کا مقام واحترام ملحوظ رکھنا، ان کی رائے کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا اور ان کا مشورہ پڑھ کر تحمل کا مظاہرہ کرنا بھی بڑے پن کا اظہار ہوتا ہے، جس کی توقع بالخصوص ایسے شخص سے کرتے ہیں جو درسِ تحمل کا حامی ہی نہیں داعی بھی ہے۔

رہی ماہنامہ ''الشریعۃ'' کی آزاد فورم کی حیثیت، تو اسکی حقیقت بھی ماہنامہ الشریعہ کی حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کے سوانح پر مشتمل خصوصی اشاعت کے دوسرے ایڈیشن میں طشت ازبام ہوگئی، دوسرے

ایڈیشن میں حضرت صاحبزادۂ امام اہل سنت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ کے مضمون کا وہ تمام حصہ نکال دیا گیا ہے جس میں حافظ عمار خان ناصر کے گمراہ کن نظریات کی زبردست خبر لی گئی تھی اور ان کا مدلل، پر مغز اور جاندار رد کیا گیا تھا، جبکہ عمار خان صاحب کے مضمون کے وہ مندرجات جن پر مولانا عبدالحق صاحب نے گرفت فرمائی تھی وہ بدستور ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حافظ عمار خان ناصر کی فکری بے رَہروی کے باعث ماہنامہ ''الشریعہ'' کا بیشتر حصہ فرق باطلہ وضالہ کے افکار کا محافظ، مؤید، ترجمان اور ذریعہ ابلاغ ہے۔ آپ ملاحظہ فرمائیں ماہنامہ ''الشریعہ'' کے جنوری 2010ء کے شمارہ میں (صفحہ ۲۰ پر) سید مشتاق شاہ صاحب نے حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ سے شیعیت کی تکفیر نقل کی، عمار صاحب سے شیعت کی تکفیر برداشت نہ ہوسکی، رگِ دفاع پھڑک اٹھی، قلم حرکت میں آیا اور حاشیہ پر شیعوں کو کفر سے پاک صاف کرنے کا فریضہ سرانجام دے لیا۔ مزید شیعہ نوازی کا اظہار ماہنامہ ''الشریعہ'' فروری 2010ء کے شمارہ میں (صفحہ ۲۶ کی حاشیہ آرائی سے) کر دیا۔ پھر تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمائیں ماہنامہ ''الشریعہ'' فروری 2010ء کے شمارہ میں (صفحہ ۱۵ پر) مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ کے متعلق خواجہ حسن نظامی کے یہ جملے نقل کیے گئے ہیں ''خلوت میں کچھ اور جلوت میں کچھ اور، دل میں کچھ اور ہوتا ہے، کہتے کچھ اور ہیں......ان کی زندگی امیر معاویہ کے اصحاب سے مشابہ ہے اس لیے ایک نمونے کی زندگی ہے، کمان ایک طرف کھینچتے ہیں تیر دوسری طرف چلاتے ہیں'' عمار صاحب کا قلم اس جگہ بالکل خاموش رہا ہے اور بڑے آرام سے یہ عبارت ہضم کر گئے ہیں۔ اس تمام صورتِ حال کو ملاحظہ کرنے کے باوصف سواتی صاحب اس کو آزاد فورم کا نام دے کر مدح سرا ہیں۔ کیا آزاد فورم اسی کا نام ہے کہ مدیر صاحب فِرقِ باطلہ کے دفاع میں حاشیہ آرائی کرتے رہیں اور گستاخانہ جملے نظر انداز کرتے جائیں؟ یا آزادیٔ اظہار رائے اسی کا نام ہے کہ اپنے باطل نظریات کے فروغ میں آزاد ہوں اور اگر ان پر کوئی تنقید کرے تو اسے شائع کرنے کا حوصلہ نہ رکھیں؟ قارئین خود فیصلہ کریں!!!

عمار صاحب پچھلی کئی صدیوں کے نامور علماء کی رائے کو بھی بے حیثیت گردانتے ہوئے ان کی رائے کے خلاف اپنی رائے کا برملا اظہار کر جاتے ہیں اور دوسروں کو برداشت کرنے کا درس دیتے ہیں مگر لگتا ہے اپنی رائے پر پڑنے والی زد نے برداشت کرنے کے تمام دعوے کھوکھلے کر دیے۔ ''تمام امت کی رائے کو لتاڑ جانا اور اپنی رائے پر معمولی تنقید اور وہ بھی با دلیل گوارا نہ کرنا'' کیا یہ روش درست ہے؟ کیا اسی کا نام آزادیٔ اظہار رائے ہے؟ آزاد فورم اسی کا نام ہوتا ہے؟ افسوس ہے ایسی سوچ پر، حیف ہے اس انداز پر۔

مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد مدظلہ

مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب کا رجوع نامہ......ایک نظر

بسم الله حامدا و مصليا. مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کا رجوع نامہ پڑھنے میں آیا۔افسوس ہے کہ یہ صرف مخصوص الفاظ کی حد تک رجوع ہے، معانی سے نہیں......اور ایک تعبیر سے رجوع ہے، ما فی الضمیر سے نہیں۔اگر مولانا ''اکابر کا مسلک و مشرب'' اور ''مفاهيم يجب ان تصحح'' پر تقریظ میں لکھے گئے مضمون کو کسی اور عنوان سے دوسرے الفاظ میں تحریر کر دیں تب بھی مولانا کے رجوع پر کچھ آنچ نہیں آئے گی۔

مولانا لکھتے ہیں:

''رسالہ ''اکابر کا مسلک و مشرب'' میں بلکہ میری سابقہ کسی تحریر یا تقریر میں کوئی بھی لفظ یا جملہ ان محبوبین و مقبولین اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف ہو تو میں اس برأت کا اعلان کرتا ہوں۔''

مولانا کے یہ الفاظ بہت قیمتی ہوتے اگر مولانا یہ بھی صراحت سے لکھ دیتے کہ......محفل میلاد......عرس......تعین وقت کے ساتھ ایصال ثواب...... کے بارہ میں اکابر دیوبند کا واقعی مسلک کیا ہے۔ اصل اختلاف تو اسی میں ہے۔ان امور کے بارے میں مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے ''اکابر کا مسلک و مشرب'' میں اکابر دیوبند کی طرف جو مسلک منسوب کیا ہے وہ بالکل غلط اور غیر واقعی ہے۔مولانا جب اس رسالے میں کوئی بات اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف مانتے ہی نہیں تو رجوع آخر کس چیز سے ہے؟ کیا مولانا عزیز الرحمٰن صاحب اتنی جرأت کریں گے کہ:

۱...... انہوں نے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جو یہ منسوب کیا ہے کہ آپ نے عبدالحفیظ مکی صاحب کی مروجہ ''محفل میلاد'' میں شرکت کا پڑھ کر ان کو جواب میں لکھا کہ: ''تم نے بہت اچھا کیا، ایسی مجالس میں شرکت بہت مبارک ہے۔''

۲...... اور عاشوراء کے دن شہدائے کربلا کے لیے ایصال ثواب نہ کرنے پر متوسلین کو کہا کہ ''ڈوب مرو! تم سے تو خبیث رافضی ہی اچھے ہیں جو کم از کم جھوٹ موٹ تو رو لیتے ہیں۔'' پھر خود ایصال ثواب کیا۔

۳...... اور یہ کہ وہ ''عرس'' کی افادیت بیان کرتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ ''منجملہ دیگر مصالحہ کے اس اجتماع کے لیے یوم وصال کے تعین میں یہ مصلحت ہے کہ یہ دن ہر مرید کے دل پر نقش ہوتا ہے اور اپنے

محبوب شیخ کی جدائی کی وجہ سے تعلق اور محبت کا ایک جذبہ اس دن طبعی طور پر ابھرتا ہے جو جالب فیض ہے۔''

ان تینوں امور کے بارے میں وہ کھل یہ کہیں کہ یہ اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف ہیں اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ بھی ان سے بری تھے اور یہ ان پر محض افتراء تھا۔

اور عزیز الرحمٰن صاحب نے ''اکابر کا مسلک و مشرب'' میں جو یہ لکھا تھا:

''اس زمانے میں المیہ یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے دو گروہ جن میں فی الحقیقت اصلاً کوئی بنیادی اختلاف نہیں۔''

کیا وہ توبہ کرتے ہوئے کھل کر یہ کہیں گے کہ ان سے بڑی غلطی ہوئی تھی اور وہ اعتراف کرتے ہیں کہ اب وہ ......علم کل......علم غیب......مختار کل......اور......حاضر ناظر......جیسے اعتقادی اختلافات کی وجہ سے بریلوی علماء اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج سمجھتے ہیں؟

"مفاهيم يجن ان تصحح" پر تقریظ کے سلسلے میں مولانا لکھتے ہیں:

''جب ان مالکی صاحب ایک عربی کتاب ''''، لکھی اور اس کتاب پر بعض اکابر دیوبند نے بھی تقاریظ لکھیں، جن میں اس کتاب کی بہت تعریف تھی، لہٰذا اس سیاہ کار نے بھی یہ تقاریظ دیکھ کر تقریظ لکھ دی۔ بعد میں جب علوی مالکی صاحب پاکستان آئے اور طاہر القادری کے مہمان بنے تو اس وقت سے مالکی صاحب کے بارے میں بندے کو بدظنی پیدا ہوگئی اور اس سیاہ کار نے اپنے ساتھیوں کو اس کتاب کے پڑھنے سے روک دیا۔ بہر حال آپ کے توجہ دلانے پر تحریراً بھی اس تقریظ سے رجوع کرتا ہوں۔

یہاں بھی مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے وہی اوپر والا کام کیا ہے۔ کوئی پوچھے کہ طاہر القادری صاحب کا مہمان بننا بدظنی کا سبب کیوں بنا؟ کیا طاہر القادری صاحب کے عقائد غلط ہیں؟......یا......ان کے کچھ اعمال قابل تنقید ہیں؟......یا......کوئی اور وجہ ہے؟......پھر محض ان کا مہمان بننے سے علوی مالکی صاحب کی پہلے کی لکھی ہوئی کتاب پر کیا اثر پڑا۔ جب کہ وہ مولانا کے بقول:

"فضيلة العلامة الجليل السيد محمد بن العلوى المالكى الحسنى المكى دامت بركاتهم"

تھے اور ان کی کتاب ایسی تھی کہ مولانا یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ:

''ہم نے اس کو ماشاء اللہ ایسی تحقیقی کتاب پایا جس میں انہوں نے مختلف انواع کے فوائد کو علماء کے وقار اور حکما کے انداز کا التزام کرتے ہوئے عمدہ انداز سے جمع کیا۔ فجزاہ اللہ خیرا کثیرا۔ اور ہم نے دیکھا کہ جو کچھ اس میں ہے وہ مکمل طور پر متقدمین ومتاخرین جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے اور یہ وہی طریقہ ہے جس پر ہم نے اپنے محدثین، مفسرین، فقہاء اور محققین مشائخ کو پایا، جیسے مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ اور انکی اولاد، امجاد و تلامذہ۔

کیا مولانا عزیز الرحمٰن صاحب اس بات کو علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ کہیں گے کہ وہ اپنی تقریظ سے اس وجہ سے رجوع کرتے ہیں کہ محمد علوی مالکی صاحب اپنے عقائد کی وجہ سے اہل سنت سے خارج ہیں؟...... وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب اور تصرف وقدرت ہونے اور حاضر وناظر جیسے عقائد کی وجہ سے پکے بدعتی ہیں......اور ان کی کتاب ''مفاهيم يجب ان تصحح'' بہت سی باتوں میں اہل سنت کے بالکل خلاف ہے اور خصوصا اکابر دیوبند کے مسلک سے تو بالکل مطابقت نہیں رکھتی اور انہوں نے (یعنی عزیز الرحمٰن صاحب نے) اپنی تقریظ میں جو کچھ لکھا وہ امر واقع کے بالکل خلاف ہے اور ان کی بڑی غلطی تھی......؟

مولانا ہزاروی صاحب کے رجوع نامہ سے متعلق......دار العلوم کراچی کا فتویٰ

ایک صاحب نے ہمیں ایک غیر مطبوعہ قلمی خط کی فوٹو کاپی دی ہے، کہ یہ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے اپنے ہاتھ سے تحریر کردہ خط کی فوٹو کاپی اور اس پر جو دستخط ہیں، اس کے بارے میں دینے والے نے یہ بتایا کہ یہ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے دستخط ہیں۔ اگر یہ واقعی مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے خط کی فوٹو کاپی ہے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں ''اصلاح مفاہیم'' پر اپنی تقریظ، اور رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب'' کے محتویات سے رجوع فرمایا ہے، اور آئندہ ان کی اشاعت کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس خط کے چند اقتباسات ذیل میں ملاحظہ ہوں:

(۱)......''چونکہ آپ نے اپنے گرامی نامہ میں لکھا ہے کہ ''اصلاح مفاہیم'' پر میری تقریظ اور رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب'' سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مذکورہ بالا بدعات اور، رسومات کا میں حامی ہوں، اس لیے میں ''اصلاح مفاہیم'' پر اپنی تقریظ، اور رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب'' سے رجوع کرتا ہوں، آئندہ کوئی بھی اس تقریظ اور رسالہ کو شائع نہ کرے اور نہ ہی حوالہ دے۔''

(۲)......''ہمارے مرشد پاک حضرت شیخ (شیخ الحدیث مولانا زکریا) رحمہ اللہ نے حیات النبی علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والسلام پر لکھے گئے مضمون میں تحریر فرمایا کہ ''یہ ناکارہ حذو النعل بالنعل ان حضرات (اکابر دیوبند) کا جامد متبع ہے، اور اس کی ناکارہ کی تحریر میں کوئی لفظ ان کی تحقیق کے خلاف ہو تو وہ لغو، نا قابل التفات اور مردود ہے۔'' تو یہ سیاہ کار بھی اپنے آقا حضرت شیخ رحمہ اللہ کی اتباع میں یہی کہتا ہے، لہٰذا رسالہ '' کابر کا مسلک ومشرب'' میں بلکہ میری سابقہ کسی بھی تحریر یا تقریر میں کوئی لفظ یا جملہ ان محبوبین ومقبولین اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف ہو تو میں اس سے برات کا اعلان کرتا ہوں۔''

(۳)......''نیز مجلس مولود......عرس......استمداد......اور......ندائے غیب......وغیرہ جتنے مسائل میں دیوبندی بریلوی اختلاف ہے، میں ان تمام مسائل میں بحمداللہ اپنے اکابر علماء واولیاء دیوبند کو حق پر سمجھتا ہوں، اور انہیں کا متبع ہوں اور ان کے مسلک کے خلاف ہر چیز کو غلط سمجھتا ہوں۔''

ان اقتباسات میں دو چیزوں کا ذکر ہے، ''اصلاح مفاہیم'' پر اپنی تقریظ اور رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب'' اور اس کے ''محتویات'' سے رجوع۔ دوسری اپنے آپ کو اکابر علماء دیوبند کا مکمل مقلد ومتبع ظاہر کرنا اور اس کا بڑی صراحت وتاکید کے ساتھ اقرار کرنا، لھذا اگر یہ واقعتاً مولانا موصوف ہی کا خط ہو، اور وہ اپنے عمل یا قول جدید سے اس کے خلاف نہ کریں، اس وقت تک ان کی طرف مذکورہ تقریظ اور رسالہ اور آراء ونظریات کو منسوب نہیں کرنا چاہیے۔

لیکن چونکہ مولانا کی تقریظ اور ان کا رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب'' خاصے بڑے پیمانے پر مطبوعہ شکل میں شائع ہوا ہے اور وہ مسلک بزرگان دیوبند کے خلاف ہے تو اب مولانا ان دونوں سے رجوع کر رہے ہیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ یہ رجوع بھی کم از کم اتنے ہی پیمانے پر چھپوا کر شائع کریں، تاکہ ''توبۃ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ'' پر عمل ہو اور عوام کو ان دونوں تحریروں سے جو نقصان پہنچا ہے اس کا ازالہ ہو سکے۔ نیز مولانا نے اپنے اس خط کے (اگر یہ انہیں کا خط ہے) اقتباس نمبر 2 میں یوں فرمایا......''لہٰذا رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب'' میں بلکہ میری سابقہ کسی بھی تحریر میں کوئی لفظ یا جملہ ان محبوبین ومقبولین اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف ہو تو میں اس سے برات کا اعلان کرتا ہوں''...... اس اسلوب کلام سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ مولانا موصوف اپنی تقریظ اور رسالہ کی محتویات جو بزرگان دیوبند کے موقف کے خلاف ہیں، حتمی طور پر ان حضرات کے مسلک کے خلاف نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ محتویات مسلک بزرگان دیوبند کے یقینی طور پر خلاف ہیں، اس لیے ان کو بجائے معلق رجوع کے صاف اور واضح انداز میں ان غلط مسائل سے رجوع کر لینا چاہیے تاکہ اس سلسلہ میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ رہے۔

اور جہاں تک ان سے بیعت ہونے کا مسئلہ ہے تو وہ اگر اپنا رجوع اس انداز سے شائع کر دیں جیسا اوپر ذکر ہوا تو موصوف کی یہ تقریظ اور رسالہ جن سے رجوع فرمایا ہے، بیعت کرنے والوں کے لیے بیعت سے مانع نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم''

عصمت اللہ......دارالافتاء: دارالعلوم کراچی......۱۴۲۲/۲/۲۰ھ

الجواب الصحیح......محمد رفیع عثمانی۔ محمد عبدالمنان۔ محمد اشرف۔ عبدالروف۔ مہر دارالعلوم

(ماہنامہ ''حق چاریارؓ'' لاہور......جلد ۱۴ شمارہ ۹......جلد ۱۳ شمارہ ۱۲)

حمزہ احسانی

امام اہل سنت رحمہ اللہ...... اور ......محمد علوی مالکی صاحب

فتنہ علوی مالکی......کا......مختصر تعارف و پس منظر

مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہ رقم طراز ہیں:

مکہ مکرمہ کے رہنے والے ایک عرب گھرانے کے فرد محمد علوی مالکی صاحب (جو مذہباً بریلوی ہیں) نے منجملہ دیگر کتابوں کے "**الذخائر المحمدیه**" اور "**حول لاحتفال بذکری المولد النبوی شریف**" کے نام سے دو کتابیں لکھیں۔ ان کتابوں کے بہت سے مندرجات پر سعودی عرب کے علماء بورڈ کے ایک رکن اور مکہ مکرمہ کے قاضی شیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع نے اعتراض کیا اور ان کے رد میں ایک کتاب ۱۴۰۳ھ میں شائع کی جس کا نام "**حوار مع المالکی فی رد منکراته وضلالاته**" رکھا، اس کتاب کے مقدمہ میں سعودیہ کے قاضی القضاۃ شیخ عبدالعزیز بن باز نے لکھا:

''محمد علوی مالکی صاحب کی لکھی ہوئی کتابوں میں موجود بہت سی قابل نکیر باتوں پر میں مطلع ہوا۔ ان کتابوں میں سب سے مقدم ان کی وہ قابل مذمت کتاب ہے جس کا نام انہوں نے '**الذخائر المحمدیه**' رکھا ہے۔ ان قابل نکیر باتوں میں ایک یہ ہے کہ اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی صفات کی نسبت کی گئی ہے جو (محض) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے خصائص میں سے ہیں۔ مثلاً یہ کہ'' آسمانوں اور زمین کی کنجیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں'' اور یہ کہ'' آپ جنت کی زمین بطور جاگیر دے سکتے ہیں'' اور یہ کہ'' آپ غیب اور روح اور ان پانچ چیزوں کا علم جانتے ہیں جن کے جاننے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص رکھا ہے۔''

علوی مالکی صاحب کے نظریات:

ذیل میں علوی صاحب کے چند باطل نظریات اُن کی کتب کے حوالہ سے پیش کیے جاتے ہیں۔

[۱]......نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ہر شے کا علم دیا گیا ہے:

"**واوتی علم کل شئی حتی الروح والخمس التی فی آیة ان الله عنده علم الساعة....الخ**"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم دیا گیا یہاں تک روح کا بھی اور مغیبات خمسہ کا بھی جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔[**الذخائر المحمدیه ص ۲۰۵**]

[۲]......نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''علم غیب'' دیا گیا ہے:

''وکم من امور جاء ما یدل علیٰ انها حق الله سبحانه وتعالیٰ ولکنه سبحانه وتعالیٰ من بها علی نبیه صلی الله علیه وسلم وغیره.... فمنها علم الغیب....الخ''

کتنے ہی امور ہیں جن کے بارے میں دلیل موجود ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حق ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور دوسروں کو بھی احسان کے طور پر عطا فرمائے....ان میں سے ایک علم غیب ہے۔[**مفاهیم یجب ان تصحح** ص۸۳،ھواللہ ص۸۹]

[۳]......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ ہر جگہ حاضر وناظر ہے:

''روحانیة المصطفیٰ صلی الله علیه وسلم حاضرة فی کل مکان فهی تشهد اماکن الخیر ومجالس الفضل....الخ''

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت ہر جگہ موجود ہے، لہٰذا وہ خیر کی جگہوں اور فضل وذکر کی مجلسوں میں حاضر ہوتی ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ روح ہونے کے اعتبار سے روح برزخ میں مقید نہیں ہوتی بلکہ آزاد ہوتی ہے اور اللہ کی ملکوت میں پھرتی ہے۔[**الذخائر المحمدیه** ص۲۵۹]

[۴]......غیر اللہ کی قسم کھانا جائز ہے:

''ویجوز ان یقسم علی الله به ولیس ذلک لاحد''

جائز ہے کہ اللہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی قسم کھائی جائے اور کسی کے لیے جائز نہیں۔[**الذخائر المحمدیه** ص۲۰۶]

اس کے علاوہ بھی بے شمار باطل نظریات ان کی کتب میں درج ہیں طوالت کے خوف سے انہی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ان عقائد کی بنا پر سعودی علماء ''محمد علوی مالکی صاحب'' کو بدعتی اور اہل السنۃ سے خارج سمجھتے ہیں۔اور انہی باطل نظریات کی وجہ سے ہمارے اکابر علوی مالکی صاحب کو بدعتی اور اہل السنۃ سے خارج قرار دیا ہے۔واللہ اعلم

۱۴۰۵ھ میں محمد علوی مالکی صاحب نے اپنے مخالفین کے جواب میں ایک کتاب **'مفاهیم یجب ان تصحح''** شائع کی اور اس کے لیے مختلف ملکوں کے علماء سے تقاریظ وتصدیقات حاصل کیں۔یہ تقاریظ ۶۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں جبکہ بعض تقاریظ کی اشاعت سے طوالت کے سبب معذرت کر لی گئی ہے۔

تصدیقات لکھنے والے بعض تو شروع ہی سے بدعتی ہیں اور بعض جدید قسم کے پروفیسر ہیں۔پاکستان سے تعلق رکھنے والے جناب صوفی اقبال صاحب، عبدالحفیظ مکی صاحب، اور حافظ صغیر احمد صاحب وغیرہ جو ''فضائل اعمال'' (تبلیغی نصاب) کے مصنف مولانا زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے ہیں، لیکن حضرت کی وفات کے بعد انہوں نے ''محمد علوی مالکی صاحب'' سے اپنی ارادت کا تعلق جوڑ لیا ہے۔ان میں سے کل یا بعض کی کاوشوں سے پاکستان کے بعض اکابر، مہتمم اور خطیب حضرات سے بھی تصدیقات وتقریظات حاصل ہو گئیں جنہوں نے پڑھے بغیر محض ان حضرات پر اعتماد کیا اور اگر کسی نے کتاب پڑھ کر کچھ تنقید اور تنبیہ کی جیسا کہ شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے کی تو اس کو سرے سے کتاب میں شائع ہی نہیں کیا۔

محمد علوی مالکی صاحب نے بہت سی تقاریظ محض اس لیے شائع کی ہیں تا کہ اپنے مخالف سعودی علماء کو یہ تأثر دے سکیں کہ ''تم ہی غلطی پر ہو، ہمیں تو دنیا بھر کے علماء کی تائید حاصل ہے''۔

لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔ سعودی عرب میں بھاری بھرکم تقاریظ کے ساتھ اس کتاب کی اشاعت کے بعد جب علوی صاحب کے حامیوں نے پاکستان میں ''**مفاهيم يجب ان تصحح**'' کا اردو ترجمہ ''اصلاح مفاہیم'' کے نام سے شائع کیا تو اہل حق کو اسی وقت کھٹکا کہ شرک وبدعات کو اصل دین بتایا جارہا ہے۔ چنانچہ قائد اہل السنۃ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ، فقیہہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ، محقق العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار رحمہ اللہ اور امین ملت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ وغیرہم اکابر نے بروقت ان حضرات کی گرفت کی، اور اپنے مضامین وفتاویٰ اور رسائل میں عوام الناس کو اس بات سے بخوبی آگاہ کیا کہ ''اصلاح مفاہیم'' شرک وبدعات پر مبنی عقائد واعمال کا پلندہ ہے جس پر توحید وسنت کا لیبل لگایا گیا ہے۔

[ملخصاً از ''علوی مالکی کے عقائد ان کی تحریرات کے آئینے میں'']

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ اصلاح مفاہیم پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' 1......﴿ ''اصلاح مفاہیم'' دراصل بریلوی مکتبِ فکر کے ایک فاضل اور جناب احمد رضا خانصاحب بریلوی کے ایک غالی عقیدت مند کی تالیف ہے، جو بریلوی عقائد ونظریات کی اشاعت کے لیے مرتب کی گئی ہے۔

2......﴿ اس کتاب کا مدعا صرف سلفیوں کے تشدد کی اصلاح نہیں بلکہ اس کا اصل ہدف دیوبندی حضرات کے مقابلہ میں بریلوی حضرات کے نقطۂ نظر کی بھرپور حمایت وتائید ہے۔

3......﴿ (کتاب میں بارہا مستعمل) جاہل، غبی، کم فہم، بدفہم اور متعنت وغیرہ الفاظ کے تکرار سے مقصود دراصل اکابر دیوبند (قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے ہمارے شیخ برکۃ العصر مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ تک تمام اکابر) کی تجہیل و تحمیق ہے۔

4......﴿ جناب مصنف نے دیوبندی حضرات کی تقریظوں کا جو انبار لگایا ہے اس کی اصل غرض بھی ظاہر ہوتی ہے کہ تقریظات کا یہ اہتمام دراصل اکابر دیوبند کے خلاف خود دیوبندی حضرات سے ''اجماعی فتویٰ'' لینا ہے، تا کہ یہ تمام تقریظ کنندگان بھی اپنے اسلاف کو جاہل ونادان قرار دینے میں متفق ہو جائیں۔ [آپ کے مسائل اور ان کا حل ج10 ص115]

ایک صاحب کے خط کے جواب میں حضرت شہید رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''اصلاحِ مفاہیم کے ذریعے ان حضرات (صوفی اقبال صاحب، مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب) نے دیوبندی حلقہ کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں فریقوں کے

درمیان اختلاف ونزاع کا جو میدانِ کارزار پون صدی سے گرم رہا ہے، اس میں غلطی اکابرِ دیوبند ہی کی تھی، اب یہ حضرات چاہتے ہیں کہ دیوبندیوں کو اُن کی غلطی کا احساس دلا کر اس غلطی کی اصلاح پر آمادہ کیا جائے۔'' [ایضاً ص 118]

قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ ماہنامہ ''حق چار یار'' میں علوی مالکی کی حقیقت واشگاف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''علوی مالکی صاحب نہ صرف کٹر بریلوی ہیں بلکہ فنافی البریلویت ہیں، چنانچہ ایک موقع پر جناب علوی مالکی صاحب نے بریلویوں کی ایک مجلس میں کہا ''سیدی علامہ مولانا احمد رضا خانصاحب فاضل بریلوی کو ہم ان کی تصنیفات اور تالیفات کے ذریعے جانتے ہیں، وہ اہل سنت کے علامہ تھے، ان سے محبت کرنا سنی ہونے کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا اہلِ بدعت کی نشانی ہے''۔ (ایضاً ص 122)

رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب''!

مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب اور مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب نے علوی مالکی صاحب کی کتاب کا اردو ترجمہ ''اصلاح مفاہیم'' کے نام پاکستان میں شائع تو کیا ہی تھا......مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی مدظلہ نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے انہی باطل عقائد ونظریات پر مشتمل ایک رسالہ خود ترتیب دے کر شائع کیا جس کا نام ''اکابر کا مسلک ومشرب'' رکھا، جس کا تحقیقی اور مدلل جواب فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ نے ''رسالہ اکابر کا مسلک ومشرب پر ایک تحقیقی نظر'' کے نام سے دیا۔ جسے ''جامعہ خالد بن ولید'' ٹھنگی کالونی ضلع وہاڑی کے مدیر حضرت مولانا ظفر احمد قاسم صاحب مدظلہ نے شائع کیا۔ اسی کی ابتداء میں حضرت ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

'' کچھ عرصہ سے ایک رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب'' کے نام سے شائع ہو رہا ہے، جس کے سرورق پر لکھا ہوا ہے: مرتبہ پیر طریقت حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی دامت برکاتہم سنی، حنفی، چشتی، قادری، نقشبندی، خلیفہ مُجاز قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ۔ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ہمارے اکابر کی طرف وہ مسلک ومشرب اس رسالہ میں منسوب کیا جا رہا ہے جس کی ہمارے اکابر ہمیشہ پرزور تردید کرتے رہے ہیں اور کتب فتاویٰ نیز دوسری کتابیں اس مسلک ومشرب کی تردید سے بھری پڑی ہیں، اور تمام عمر ہمارے حضرات اکابر کی ان بدعات ومخترعات کی تردید میں ہی گزری ہے ان کو ان کا عامل یا قائل قرار دینا نہایت درجہ جائے تعجب ہے''۔ [ص 10]

قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے رسالہ کا اصل موضوع دیوبندی بریلوی اتحاد ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ''انگریز کے خلاف جنگ آزادی کے بعد اہل السنۃ والجماعۃ میں دو گروہ بن گئے، جو حقیقت میں اصول وفروع کے اعتبار سے ایک ہی تھے، اگرچہ آپس میں مزاج ومشرب میں معمولی فرق تھا۔''....الخ

[مسلک ومشرب ایڈیشن سوم ص 28] (ایضاً ص 5)

فقیہ العصر حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ لکھتے ہیں:

''احقر کے نزدیک مجموعی حیثیت سے سارا ہی رسالہ (''اکابر کا مسلک ومشرب'') دفن کرنے کے قابل ہے، اس سے سراپا بریلویت پھیلے گی، اس کا شائع کرنا حرام ہے۔'' [ماہنامہ ''حق چاریارؓ'' لاہور......جلد ۸، شمارہ ۱۲......دسمبر 1995]

غرضیکہ اکابر نے ان کا تعاقب جاری رکھا یہاں تک کہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے، آج ان اکابر میں سے کوئی اس دنیا میں نہیں، لیکن اُن کی تالیفات وفتاویٰ اور مضامین رہتی دنیا تک آنے والوں کو حقیقت حال سے باخبر کرتی رہیں گی۔ ان شاء اللہ العزیز۔

مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی مدظلہ کا رجوع الی الحق:

اکابرین کی مضبوط گرفت اور اللہ کے خصوصی فضل وکرم کے نتیجہ میں مولانا موصوف نے علوی مالکی صاحب کے نظریات سے تحریری رجوع کرتے ہوئے اپنی ترتیب شدہ کتاب ''اکابر کا مسلک ومشرب'' کی اشاعت نہ صرف روک دی ہے بلکہ اپنے تمام مریدین اور متعلقین کو وہ کتاب پڑھنے سے منع فرما دیا ہے، راقم نے بذات خود اُن کا رجوع نامہ تو نہیں دیکھا، والدمکرم مدظلہ کی زبانی معلوم ہوا کہ اس پر یہ الفاظ درج ہیں جو والدمکرم مدظلہ نے بذات خود دیکھے ہیں: ''میں اپنی تمام سابقہ تحریرات سے رجوع کرتا ہوں۔''

انتظار باقی ہے: اب ہم انتظار میں ہیں کہ کب حضرت ہزاروی مدظلہ کی طرف سے ان نظریات کی فرداً فرداً تردید اور اکابرین کے مسلک کی وضاحت سامنے آتی ہے؟ خدا کرے کہ مولانا مدظلہ جلد ہی اس فرض کو سرانجام دے کر اتمام حجت فرما دیں۔ آمین۔

امام اہل سنت رحمہ اللہ کا مؤقف:

حضرت داداجان رحمہ اللہ نے اپنے ذوق اور عادت کے مطابق اس مقام پر بھی ''حق'' اور ''اہلِ حق'' کی تائید وتصویب فرمائی اور انہی کا ساتھ دیتے ہوئے ''اصلاح مفاہیم'' اور علوی صاحب کی دیگر کتب میں موجود باطل نظریات سے برأت کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ گزشتہ سال راقم نے عم مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ سے بذریعہ فون اس بابت سوال کیا کہ ''علوی مالکی اور مولانا عبدالحفیظ مکی کے بارہ میں داداجان کا کیا مؤقف ہے؟ تو انہوں نے فرمایا ''وہی جو حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ اور مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کا ہے''۔ میں نے عرض کیا کہ ''ناناجی اور حضرت لدھیانوی رحمہما اللہ تو ان کو بدعتی اور اہل سنت سے خارج سمجھتے ہیں!'' تو فرمایا کہ ''وہ اہل سنت سے خارج ہی ہیں اور اباجی ''رحمہ اللہ'' کا بھی بعینہ وہی موقف ہے جو ان بزرگوں کا تھا۔''

اس کے چند روز بعد جب احقر نے حضرت داداجان رحمہ اللہ کے پاس گکھڑ حاضری دی، اور علوی مالکی صاحب کی بابت سوال کی تو فرمایا کہ ''میرا وہی نظریہ ہے جو حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ تھا''۔ پھر احقر نے مولانا

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد مدظلہ (مفتی جامعہ مدنیہ لاہور) کا ایک رسالہ ''محمد علوی مالکی کے عقائد ان کی تحریرات کے آئینہ میں'' سنایا تو چند عبارتیں سنتے ہی داداجان رحمہ اللہ بول اٹھے کہ ''یہ تو احمد رضا سے بھی بڑا بدعتی ہے'' احقر نے فوراً سوال کیا کہ ''جو علماء ان کی تائید کرتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟'' فرمایا ''کون؟'' میں نے عرض کیا کہ ''مولانا عبدالحفظ مکی صاحب وغیرہ؟'' فرمایا ''اگر وہ اس کی تائید کرتے ہیں تو وہ اسی جیسے ہیں''۔ اللہ اکبر۔ یہ تھی مسلکی غیرت کہ مسلک کے معاملہ میں اپنے پرائے کی رعایت رکھے بغیر ''حق'' بیان کیا۔ رحمه الله تعالیٰ رحمةً واسعة

کس شان سے وہ راہِ وفا سے گزر گئے　　　جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

(مجلّہ ''المصطفیٰ'' بہاولپور...... ''امام اہل سنت نمبر''...... باب نمبر 3)

محترم قارئین!

سابقہ سطور میں آپ نے علوی مالکی صاحب اور ان کے حامیوں سے متعلق اکابرین کا مؤقف مع مختصر پس منظر ملاحظہ فرمایا، اس عاجز نے گزشتہ سے پیوستہ سال ''امام اہل سنت نمبر'' (جو مجلّہ ''المصطفیٰ'' بہاولپور کی طرف سے شائع ہوا تھا) میں یہ باتیں لکھیں اور عم مکرم مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ، محسن معظم مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ، اور استاد محترم مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہ [مدیر: دارالعلوم مدنیہ، بہاولپور] کی نظر ثانی واجازت کے بعد راقم کا مضمون طبع ہوا۔

اس پر بہت سے احباب ناراض ہوئے کہ مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب تو رجوع کر چکے ہیں، تم نے ان کا تذکرہ کیوں کیا......؟ بعض نے تو یہاں تک فرمادیا کہ ''تم اس سے رجوع کر کے اس پر معذرت شائع کرو! اور آئندہ ایڈیشن میں اس حصہ کو نکال دو!'' راقم نے اپنے اکابر، جانشین قائد اہل سنت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو دامت برکاتہم، شہید ناموس رسالت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ، مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی، مولانا نور محمد تونسوی، مولانا مفتی جمیل الرحمٰن [چکوال]، مولانا جمیل الرحمٰن عباسی مدظلہم اور دیگر سے مشورہ کیا تو سب نے یہی فرمایا کہ: ''یہ اکابر کا حق مؤقف ہے، اس سے رجوع کسی طرح بھی درست نہیں، رہی بات مولانا ہزاروی کے ''رجوع نامہ'' کی، تو بقول مولانا مفتی عبدالواحد وہ محض ''دفع الوقتی'' تھا، مکمل رجوع نہیں۔ (تفصیل اسی شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں) لھذا جب تک مولانا ہزاروی صاحب غیر مبہم، واضح اور کھلے انداز میں علوی مالکی صاحب کے باطل نظریات کی تردید کرتے ہوئے اکابر دیوبند کے واقعی مسلک کو لکھ کر اپنے سابقہ مؤقف کو اور اس کی حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی طرف نسبت کو غلط قرار نہ دیں تب تک وہ علوی مالکی صاحب کے نظریات کے حامی ہی متصور ہوں گے۔''

بندہ نے بھی احتجاج وتنقید کرنے والے تمام حضرات سے یہی گذارش کی کہ اس ناچیز نے جو کچھ لکھا ہے حضرت قائد اہل سنت ودیگر اکابر کی پیروی میں لکھا ہے، اگر ان کے ذوق کے منافی ہو تو ثابت کریں فوراً علی الاعلان

رجوع شائع کردوں گا۔ ورنہ دباؤ ڈالنا بے کار ہوگا۔ جب بندہ نے حضرت جلالپوری شہید سے یہ صورت حال عرض کی تو فرمایا کہ: ''آپ کو سر مضبوط کرنا چاہیے! اور اسے ہرگز نہ نکالنا چاہیے''

پھر حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کا فرمان سنایا کہ:

''حضرت شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ [انڈیا والوں] نے مجھے خط کے ذریعے اور پھر ایک ملاقات میں بالمشافہ حکم فرمایا کہ ''اب اس (علوی مالکی صاحب، مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب اور مولانا ہزاروی صاحب والے) سلسلے کو بند کر دیا جائے۔ میں (مولانا جلالپوری شہید) نے آپ کے دادا حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ:

''بزرگوں کا حکم اپنی جگہ، لیکن حقیقت اپنی جگہ، یہ ایک حقیقت ہے، اور آنے والی نسلوں تک اپنے بزرگوں کے عقائد و نظریات اور ان کے مؤقف و مسلکی ذوق کو پہنچانا اور حقائق سے آگاہ کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔''

اسی دوران حضرت جلالپوری شہید رحمہ اللہ کو راقم نے خط لکھا تو انہوں نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

''برادر عزیز سلمہ اللہ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اگر آپ نے اس مضمون میں کوئی بات خلاف واقعہ لکھی ہے اور اس کی کسی نے نشاندہی فرمائی ہے تو اس پر معذرت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر اس کے مضامین حقیقت پر مبنی ہیں تو معذرت چہ معنی دارد......؟''

آخر میں لکھتے ہیں کہ:

''(آئندہ ایڈیشن میں وضاحت کرتے ہوئے یہ لکھ دیا جائے تو بہتر ہوگا کہ) ہم نے اس قضیہ کا تذکرہ اپنے اکابر کے مسلکی ذوق اور تاریخی حقائق کو بیان بلکہ اگلی نسلوں تک پہنچانے کے لیے کیا ہے، ہماری دوسری کوئی نیت نہ تھی نہ ہے۔ واللہ اعلم''

سعید احمد

۱۶ / ۱ / ۳۱ھ

(حضرت شہید رحمہ اللہ کا یہ خط بندہ کے پاس محفوظ ہے۔)

حضرو ضلع اٹک کے ایک عالم دین حضرت مولانا نثار احمد الحسینی صاحب مدظلہ (جو تحقیق و تصنیف میں ایک مقام رکھتے ہیں،) نے راقم کے مضمون کے جواب میں ایک تنقیدی مضمون حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم اور ''المصطفیٰ'' کے مدیر، استاد محترم مولانا مفتی محمد یوسف الحسینی صاحب مدظلہ کے نام ارسال کیا کہ اسے ''المصطفیٰ'' میں شائع کیا جائے۔ راقم نے ان کے مضمون کے بارے چند معروضات تحریر کر کے ان کو ارسال کر دیں، ان کا خلاصہ پیش خدمت ہے تا کہ دیگر معترضین و ناقدین بھی حقیقت سے جان لیں۔

من خادم اہل سنت سرفراز حسن خان حمزہ، بہاولپور ۱۴۳۰/۱۲/۳۰ھ

محترم جناب مولانا نثار احمد الحسینی صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج بخیر!

آنجناب کا مضمون مع دوعدد مکاتیب موصول ہوا، اختصاراً چند معروضات تحریر کرتا ہوں، خداوند قدوس حق سچ کہنے اور لکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

امام اہل سنت نمبر کی اشاعت پر اظہار پسندیدگی اور تعریفی کلمات کا تہ دل از حد شکریہ۔ لاریب یہ حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ ہی کی کرامت ہے ورنہ ہم ضعیفوں کو تو کبھی اس کا واہمہ بھی نہ ہوا تھا۔ خداوند قدوس اپنی بارگاہ عالیہ میں شرف قبولیت بخشے اور اسے امت مسلمہ کے لیے ''نشانِ راہ'' بنادے۔ آمین

احقر نے [نعوذ باللہ] اپنے حضرات پر کیچڑ نہیں اُچھالا بلکہ مختلف شخصیات ومسائل کے حوالہ سے ''حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ'' کے مؤقف کی وضاحت کی ہے جو احقر کے پاس حضرت کی امانت تھی حضرت کے مریدین، متعلقین، معتقدین تک اس کا پہنچانا ضروری تھا، تاکہ وہ حضرت کی رائے اور مؤقف سے آگاہ ہوسکیں۔

اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ گزشتہ سال ''تحفظ سنت کانفرنس'' کے اشتہارات (جو ملک بھر میں لگائے اور پہنچائے گئے ان) پر سرپرست کے طور پر حضرت امام اہل سنت اور صدر جلسہ کے طور پر مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب کا نام درج تھا جس سے بہت سے شکوک وشبہات نے جنم لیا اور دونوں حضرات کی فکری یکسانیت کا تاثر پھیلنے کا شدید اندیشہ تھا، بہت سے اذہان تشویش میں مبتلا تھے بالخصوص حضرت امام اہل سنت کے متعلقین جو علوی مالکی صاحب کے شرکیہ نظریات سے آگاہ تھے خاصے پریشان نظر آئے اور بعض حضرات نے احقر سے اس بابت سوال بھی کیا کہ ''یہ سنت وبدعت اکٹھے کیسے ہوگئے؟'' ان کی پریشانی بالکل بجا تھی، لہٰذا احقر نے حضرت رحمہ اللہ سے دریافت کیا اور ان کا مؤقف معلوم کرلینے بعد مولانا جمیل الرحمٰن عباسی مدظلہ [مدیر: تسکین الصدور] کے از حد اصرار پر اسے تحریر کرنا شروع کیا، ابتداً تو ارادہ تھا کہ دوماہی ''نورِ بصیرت'' میں یہ مضمون شائع کردیا جائے، لیکن پھر حضرت کی وفات کا سانحہ پیش آگیا، اس کے بعد مجلّہ ''المصطفیٰ'' کی خصوصی اشاعت کا فیصلہ ہوا تو اسے اس میں شامل کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

اور علوی مالکی صاحب والی بحث میں احقر نے مولانا ہزاروی مدظلہ کو تو موضوع بحث بنایا ہی نہیں چہ جائے کہ نشانہ تنقید بناتا، اس عاجز نے تو فقط علوی مالکی صاحب اور ان کی تائید کرنے والے علماء کرام کے بارہ میں حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کا موقف بیان کیا ہے اور اس کی تفہیم کی خاطر مختصر پس منظر بھی ذکر کردیا ہے، اس ضمن میں حضرت ہزاروی صاحب مدظلہ کا ذکر ناگزیر تھا اور بندہ ناچیز نے ان کے رجوع کا بھی تو ذکر کیا ہے، ''رجوع الی الحق'' کے ذکر باوجود ان کو نشانہ تنقید بنانا کیسے ثابت ہوگیا؟ اگر یہ فقیر ان کا علوی مالکی صاحب کی تائید کرنا اور رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب'' لکھنا تو ذکر کردیتا مگر رجوع کا تذکرہ نہ کرتا تو واقعتاً یہ ناانصافی اور زیادتی ہوتی، اگر علوی مالکی صاحب کے نظریات کی اب تک برملا تائید کرنے والوں میں حضرت ہزاروی صاحب مدظلہ کا نام لکھتا تو لازماً یہ خلاف حقیقت ہوتا،

مگر بندہ کی تحریر جس میں رجوع کا تذکرہ بھی ہے اس سے ان کو نشانۂ تنقید بنانا کیسے ثابت ہو گیا؟؟ یہ بات ہماری سمجھ سے تو بالاتر ہے۔ آپ ہی اسے حل فرما دیجیے!!

اور اب مؤدبانہ گزارش یہ ہے کہ احقر نے مولانا ہزاروی مدظلہ کا معاملہ چھیڑا ہی نہیں تھا، اس لیے احقر نے اپنے مضمون میں جہاں بھی ان کا ذکر کیا ادب احترام کو ملحوظ رکھنے کی پوری کوشش کی ہے آپ غور سے دیکھیں تو یہ بات عین حقیقت ہے، مگر اب چونکہ آپ نے خود ہی ابتدا کر دی ہے لہٰذا جواب میں ہم بھی چند گزارشات پیش کرنے کا حق رکھتے ہیں، امید ہے کہ آپ اس طالب علم کی معروضات کو اپنی توجہ عنایت فرمائیں گے۔

رہی بات آپ کے مضامین شائع کرنے، تو اس کا فیصلہ تو مجلّہ ''المصطفیٰ'' کی انتظامیہ کرے گی، احقر تو آپ کی خدمت میں فقط عریضہ ہی ارسال کر سکتا ہے۔

(ا) آنجناب رقم طراز ہیں:

> مولوی سرفراز حسن خان حمزہ صاحب مدظلہ نے اپنے مضمون ''صبح کی آنکھ لالۂ فام ہوئی'' میں حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کے مسلکی مزاج کی وضاحت میں کئی امور کا تذکرہ کیا، مختصر عنوانات پر طویل تبصروں اور آپ کی باتوں کے یوں سر عام تذکروں نے ان کے مضمون کو بوجھل بنا دیا......''

عرض: [ا] بندہ عاجز نے اس مضمون کے آغاز میں پیشگی عذر بیان کر دیا تھا کہ چند شخصیات کے بارہ میں اس ناچیز کا لکھنا کسی بھی طرح مناسب نہیں مگر یہ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی امانت ہے جو عوام الناس تک پہنچانا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

[۲] نیز اس بات سے تو آپ بھی بخوبی واقف ہیں کہ کسی کے قول کو پسِ منظر اور سیاق وسباق کے بغیر نقل کرنا دیانت داری کا خون کرنا ہے اور بالخصوص اس قسم کے اقوال ومسائل میں تو پس منظر کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، آپ خود انصاف فرمائیے! کہ اگر بندہ ناچیز حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کے اس قول کو بغیر کسی پس منظر کے نقل کر دیتا کہ

> یہ (علوی ملکی صاحب) تو احمد رضا خان (صاحب) سے بھی بڑا بدعتی ہے اور ان کی تائید کرنے والے (مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب وغیرہ) بھی اسی جیسے ہیں۔''

تو کیا قارئین کے اذہان تشویش کا شکار نہ ہوتے؟ لامحالہ بہت سے لوگ شش وپنج میں پڑ جاتے اور پریشان ہو جاتے، اس لیے بھی پس منظر کا تذکرہ ضروری تھا۔ اور اس پس منظر میں حضرت ہزاروی صاحب دامت برکاتہم کا علوی مالکی صاحب کے شرکیہ نظریات کی تائید کرنا اور پھر اس سے رجوع کرنا ذکر نہ کیا جاتا تو یہ بھی خلافِ انصاف ہوتا۔ لہٰذا ہم نے پوری دیانت داری سے ساری حقیقت قارئین کے سامنے کھول کر پیش کر دی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(2) آپ نے لکھا:

> ''ناقص معلومات کی وجہ سے کئی اختلافات کو انہوں نے خوامخواہ ہوا دینے کی کوشش کی''

عــرض: معلومات کے نقص میں تو کوئی شک نہیں، لیکن بندہ عاجز کو بحمداللہ تعالیٰ اپنے اکابر پر پورا اعتماد ہے اور انکے مؤقف کو اپنے لیے حجت اور نجات کا ذریعہ خیال کرتا ہے اور یہ بات احقر کے علم میں تھی کہ اکابرین نے ہزاروی صاحب مدظلہ کے رجوع پر عدم اطمینان کا اظہار فرمایا ہے، اس لیے ''انتظار باقی ہے'' کے تحت کچھ تحریر کر دیا۔ لیکن اس سے اختلافات کو ہوا دینے کا مطلب میری سمجھ میں تو نہیں آیا؟ اس عاجز نے تو فقط حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کے مؤقف و مسلک کی وضاحت کی ہے۔ اگر اکابرین کے مؤقف کی وضاحت واشاعت کو آپ ''اختلاف کی خلیج کو وسعت دینے'' کا نام دیں تو احقر اس کے سوا کیا عرض کر سکتا ہے ؎ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

(3) آپ نے مزید لکھا:

> ''موصوف نے مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب دامت برکاتہم سے متعلق چودہ سالہ پرانے قضیہ کو تازہ کیا ہے''

عــرض: اس ناچیز نے پرانے قضیہ کو تازہ نہیں کیا بلکہ گزشتہ سال ''تحفظ سنت کانفرنس'' کے اشتہارات میں حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کے نام ساتھ مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب کا نام درج ہونے کی وجہ سے پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کے ازالہ اور امام اہل سنت کے مؤقف کی وضاحت کی خاطر چند سطور تحریر کی ہیں، اگر اکابر کے مؤقف و مسلک کی وضاحت کرنا آنجناب کے نزدیک ''خوامخواہ اختلافات کو ہوا دینا'' شمار ہوتا ہے تو انتہائی ادب سے عرض ہے کہ آنجناب ایسا کر چکے ہیں کہ آپ نے اپنے مضمون میں حضرت امام اہل سنت کے مرشد واستاذ مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے ''عقیدہ حیات'' کی وضاحت کی ہے۔؟

(4) آپ نے تحریر فرمایا:

> شیخ علوی مالکی (صاحب) کی عربی کتب پر تقریظ اور مذکورہ رسالہ (اکابر کا مسلک ومشرب۔ مرتبہ مولانا ہزاروی مدظلہ) پر اکابر علماء کرام نے تنقید اور تائید کے ملے جلے جذبات کا اظہار کیا''

عرض: [ا] اس تحریر سے ضرور آپ نے مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے، حالانکہ اس بات سے آپ بھی بخوبی واقف ہیں کہ اکابرین اہل السنۃ والجماعۃ میں سے کسی ایک نے بھی ہزاروی صاحب مدظلہ کے رسالہ تائید نہیں کی، البتہ تنقید اکثر نے کی۔ [۲] اور علوی مالکی صاحب کی عربی کتاب پر تقاریظ جس طریقہ سے لی گئیں ان کا حال مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہ لکھ چکے ہیں کہ اکثر نے بغیر پڑھے ہی محض مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب کی سفارش اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے تقریظ لکھ دی تھی، کیونکہ ان کو مولانا مکی صاحب سے اس کی ہرگز امید نہیں تھی، یہی وجہ ہے بعد میں اکابرین حضرت سید نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ وغیرہ نے علی الاعلان اپنی تقاریظ سے رجوع فرما لیا تھا۔ اور جن حضرات نے کتاب کا بغور مطالعہ کیا اور تنقیدی تقاریظ لکھیں جیسے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ وغیرہ تو ان کی تقاریظ کو شائع ہی نہیں کیا گیا۔ اکابرین کی تنقید اور ان کا اپنی تقاریظ سے رجوع صراحتاً ذکر نہ کر کے میرے خیال میں آپ نے انصاف نہیں کیا......!

[۳] میرے علم میں نہیں ہے کہ اکابر میں سے کسی ایک نے بھی مولانا ہزاروی صاحب مدظلہ کے رسالہ کی تائید فرمائی ہو؟ البتہ مولانا قاضی مظہر حسین، مولانا محمد یوسف لدھیانوی [خلیفہ اجل: شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ]، مولانا عبدالشکور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ کی بہت سی تنقیدی تحاریر حتیٰ کہ مکمل جوابی رسالہ تک موجود ہے۔ اور فقیہ العصر مولانا عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمہ اللہ نے تو یہاں تک لکھا کہ ''اس کا شائع کرنا حرام ہے۔''

(5) آپ نے تحریر کیا:

> ''(ہزاروی صاحب دامت برکاتہم نے رجوع کیا تو) اکابر نے ان کے اس اقدام کو قابل تحسین اور لائق صد مبارک باد قرار دیا''

عرض: گزارش ہے کہ قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ اور مولانا ڈاکٹر عبدالواحد مدظلہ، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ مولانا محمود اشرف عثمانی مدظلہ وغیرہم حضرات نے اس رجوع نامہ پر عدم اطمینان کا اظہار فرماتے ہوئے مزید وضاحت طلب کی تھی۔ چنانچہ حضرت قائد اہل سنت علیہ الرحمۃ کی سرپرستی و نگرانی میں شائع ہونے والے ماہنامہ ''حق چار یارؓ'' لاہور (ستمبر 2001ص34) پر لکھا ہے

> ''فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ نے ایک نجی محفل میں اس رجوع کو نامکمل قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کو چاہیے کہ عرس، میلاد، ایصال ثواب بتعین الوقت وغیرہ دیوبندی بریلوی اختلافی مسائل کا جو انہوں نے اکابرین بالخصوص شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کی طرف انتساب کیا ہے کہ ''وہ ان کی افادیت کے قائل تھے'' اس سے رجوع فرمائیں کہ یہ اکابر کی طرف غلط انتساب تھا وہ ان چیزوں سے بری تھے۔''

اور ''حق چار یار'' کے اسی شمارہ میں دارالعلوم کراچی کا فتویٰ مذکور ہے جسمیں مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ وغیرہم حضرات نے اس رجوع پر عدم اطمینان کا اظہار فرماتے ہوئے اسے نامکمل قرار دیا، چنانچہ لکھتے ہیں

> ''نیز مولانا نے اپنے اس خط کے (اگر یہ انہیں کا خط ہے) اقتباس نمبر 2 میں یوں فرمایا ''لہٰذا رسالہ اکابر کا مسلک و مشرب میں بلکہ میری سابقہ کسی بھی تحریر میں کوئی لفظ یا جملہ ان محبوبین و مقبولین اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف ہو تو میں اس سے برات کا اعلان کرتا ہوں'' اس اسلوب کلام سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ مولانا موصوف اپنی تقریظ اور رسالہ کی محتویات جو بزرگان دیوبند کے مؤقف کے خلاف ہیں، حتمی طور پر ان حضرات کے مسلک کے خلاف نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ محتویات مسلک بزرگان دیوبند کے یقینی طور پر خلاف ہیں، اس لیے ان کو بجائے معلق رجوع کے صاف اور واضح انداز میں ان غلط مسائل سے رجوع کر لینا چاہیے تاکہ اس سلسلہ میں شک و شبہہ کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ الخ اور اگر وہ مندرجہ بالا طریقہ کے مطابق علی الاعلان رجوع کر لیں تو ان سے بیعت و اصلاحی تعلق رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔''

محمد رفیع عثمانی۔عصمت اللہ۔محمد عبدالمنان۔محمد اشرف۔عبدالروف۔مہر دارالعلوم

اورحضرت ہزاروی صاحب کے رجوع نامہ کے بارے میں مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد مدظلہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو محمد علوی مالکی کے عقائد پر ایک تفصیلی مضمون لکھا، جو انوارِ مدینہ میں شائع ہوا، بعد میں ادارہ حق چار یار نے اس کو کتابچہ کی صورت میں شائع کیا۔

بعد میں کچھ اور باتیں سامنے آئیں تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے دفاع میں ان کے چار خلفاء کی ''داستان عبرت'' کے نام سے ایک کتابچہ لکھا اور شائع کیا جو حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے کہنے پر ماہنامہ حق چار یار میں من وعن شائع ہوا۔اس کی اشاعت کے فوراً بعد مولانا عزیزالرحمٰن ہزاروی کا رجوع نامہ شائع ہوا جو محض دفع الوقتی تھا۔لہٰذا اس رجوع نامی کی حقیقت ''داستان عبرت نمبر 2'' کے نام سے لکھ کر شائع کی۔حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے حکم سے وہ بھی حق چار یار میں من وعن شائع ہوا۔'' [حق چار یار، قائد اہل سنت نمبر ص515]

ماہنامہ ''حق چاریار'' (دسمبر 2000۔ص49) پر مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد مدظلہ العالی یوں رقم طراز ہیں:

مولانا عزیزالرحمٰن صاحب کا رجوع نامہ پڑھنے میں آیا،افسوس ہے کہ یہ صرف مخصوص الفاظ کی حد تک رجوع ہے،معانی سے نہیں،اور ایک تعبیر سے رجوع ہے مافی الضمیر سے نہیں''

اسکے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ مولانا ہزاروی مدظلہ کے رجوع نامہ کے الفاظ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''مولانا کے یہ الفاظ بہت قیمتی ہوتے اگر مولانا یہ بھی صراحت سے لکھ دیتے کہ محفل میلاد، عرس،اور تعین وقت کے ساتھ ایصال ثواب کے بارے میں اکابر دیوبند کا واقعی مسلک کیا ہے؟اصل اختلاف تو اسی میں ہے''

پھر لکھتے ہیں کہ:

''مولانا (ہزاروی صاحب مدظلہ) جب اس رسالے میں کوئی بات اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف مانتے ہی نہیں تو ان کا رجوع آخر کس چیز سے ہے؟الخ''

یہ تو تھا مولانا ہزاروی صاحب مدظلہ کے رجوع نامہ سے متعلق ان حضرات کا مؤقف اور بعینہٖ یہی مؤقف اور رائے حضرت قائد اہل سنت کی تھی، کیونکہ ان کی نگرانی میں شائع ہونے والے ماہنامے میں یہ مضامین ان کی زندگی ہی میں شائع ہوئے۔اور حضرت قائد اہل سنت کو معاصر واکابرین کا جو اعتماد حاصل تھا وہ کسی سے مخفی نہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

احقر نے اگر ان حضرات اکابرین کی پیروی میں ''انتظار باقی ہے'' کے تحت اسی بات کو مؤدبانہ طور سے عرض کر دیا تو کون سا قصور کیا؟ (دارالعلوم کراچی کا مکمل فتویٰ اور مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب کا مضمون...... ''مولنا ہزاروی کا رجوع نامہ......ایک نظر''......اسی شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔[خادم،حمزہ])

(6)اور آپ نے مولانا ہزاروی صاحب مدظلہ کے رجوع نامہ پر اظہار مسرت کرنے والے اکابرین کے نام لکھنے کے بعد لکھا:

حضرت امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے اس اعلان رجوع پر اتنی مسرت کا اظہار فرمایا کہ جب انہیں حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب دامت برکاتہم (کربوغہ شریف، کوہاٹ، خلیفہ مجاز: حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا قدس سرہ) نے یہ خبر پہنچائی تو خوشی سے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو گلے لگالیا اور تحریراً بھی اس رجوع کی تائید وتصدیق فرمائی۔''

عرض: محترم! اگر آنجناب کے پاس حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کی تحریر موجود ہو تو ضرور ارسال فرمائیں۔ کیونکہ ہم نے آج تک نہیں دیکھی نہ آپ کے رسالہ ''قضیہ کا خاتمہ'' میں اور نہ کہیں اور۔۔۔۔

اور مولانا ہزاروی مدظلہ نے رجوع کر کے دیوبندیوں میں پھوٹ ڈالنے کی ایک بہت بڑی سازش کو ناکام بنادیا تھا، (جزاہ اللہ خیراً) لامحالہ یہ اہل حق کے لیے خوشی اور مسرت کا مقام تھا، بالخصوص اکابرین اور خاص کر حضرت امام اہل سنت جو ہر دم اتحاد امت اور وحدت ملت کی فکر میں رہتے تھے، ان کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ ہوگا۔

لیکن اس خوشی اور مسرت سے یہ مطلب احقر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ انہوں نے اس رجوع نامہ کو 100 فیصد مکمل قرار دے دیا تھا اور اس پر کامل اطمینان کا اظہار فرمایا تھا؟ میرے خیال میں تو یہ فقط اس لیے تھا کہ مولانا ہزاروی مدظلہ نے رجوع الی الحق کی طرف ایک قدم اٹھایا ہے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ اگلا قدم اٹھا کر اتمام حجت فرمادیں۔ دیگر اکابرین نے بھی یہی کیا کہ مزید وضاحت طلب کی۔

یقین رکھیے! کہ اس سلسلہ میں حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کا مؤقف بعینہٖ اور حرف بحرف وہی تھا جو حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا تھا۔ بیسیوں لوگ بلکہ خود راقم بھی اس کا گواہ ہے کہ حضرت امام اہل سنت نے بارہا حضرت قائد اہل سنت کی تحاریر وتقاریر، مؤقف ومسلک، نظریہ وعقیدہ پر کلی وکامل اعتماد کا اظہار فرمایا۔

اسی طرح حکیم العصر مولانا عبد المجید لدھیانوی مدظلہ العالی کو بھی حضرت قائد اہل سنت پر کامل اعتماد تھا چنانچہ اپنے ایک خطاب میں فرمایا

مسلک کے بارہ میں قاضی مظہر حسین صاحب حجت ہیں، بندہ کو ان پر حرف بحرف کامل اعتماد ہے اور مسلک کے بارہ میں ان کی رائے کو حد درجہ صائب اور درست سمجھتا ہے''

[خطبات حکیم العصر ج2 ص69]

اور حضرت حکیم العصر کا یہ قول تو مشہور ہے کہ''

اگر اللہ کے نزدیک اجمالی ایمان مقبول ہے تو میرے عقائد ونظریات وہی ہیں جو قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین اور امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر کے ہیں''

[مضمون مولانا منیر احمد منور مدظلہ، غیر مطبوعہ]

صرف ان دو حضرات کی بات نہیں بلکہ دیگر تمام اکابرین کو بھی حضرت قائد اہل سنت پر کامل اعتماد تھا اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا مؤقف اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ انہوں نے مولانا ہزاروی مدظلہ کے اس رجوع کو نامکمل قرار دیا اور مزید وضاحت طرب فرمائی۔

اس عاجز کے خیال کے مطابق اکابرین کی مسرت سے یہ مطلب اخذ کرنا کہ انہوں نے رجوع کو مکمل قرار دے دیا تھا درست نہیں۔ واللہ اعلم

(7) باقی رہی بات اکرام کی جو آپ نے لکھا:

''(ہزاروی صاحب مدظلہ) جب بھی تشریف لے جاتے، حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ نہایت شفقت اور محبت کا اظہار فرماتے..الخ

عرض: محترم! کسی پر شفقت یا کسی کا اکرام تو حسن خلق کی علامت ہے نہ کہ اس کے نظریات کی تائید وتصویب کی، اور ہمارے اکابر تو الحمدللہ اخلاق نبوی کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ راقم کا آنکھوں دیکھا واقعہ ہے کہ بریلوی مسلک کے معروف عالم مفتی محمد خان قادری صاحب حضرت امام اہل سنت کی خدمت میں آئے سردیوں کے دن تھے، حضرت گھر کے برآمدے میں دھوپ سینک رہے تھے، حضرت نے کرسی منگوا کر ان بٹھایا اور بہت اکرام کا معاملہ فرمایا، (مجھے اس وقت بہت حیرت بھی ہوئی کہ بدعتی کی توقیر کا کیا مطلب؟ لیکن بعد میں پوچھا تو سمجھ آئی کی اخلاق حسنہ اور چیز ہیں اور بدعتی کی توقیر کا الگ معنیٰ ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی یہی ہے کہ آپ کسی کافر سے بھی بداخلاقی پیش نہیں آتے تھے۔) کیا اس اکرام کا یہی مطلب ہے کہ [نعوذ باللہ] امام اہل سنت علیہ الرحمۃ نے ان کے نظریات کی تائید فرمائی......؟

(8) نیز آپ نے لکھا:

''(امام اہل سنت نے) آپ کو اپنی خصوصی سند حدیث سے نوازا۔''

عرض: یہ تو حضرت شیخ رحمہ اللہ کی عادت مبارکہ تھی دیوبندی مدرسہ کے ہر فاضل کو سند حدیث سے نواز دیتے تھے حتیٰ کہ بعض اوقات امتحان بھی نہیں لیتے تھے، اور آخر عمر میں تو کسی کو سند مانگنے کی نوبت بھی کم ہی آتی تھی، حضرت سلام دعا کے بعد سوال کرتے کہ کیا کرتے ہیں؟ کوئی عالم ہوتا تو فرماتے دورہ کہاں کیا ہے؟ اگر رائے ونڈ یا وفاق سے ملحق کسی دیوبندی مدرسہ کا فاضل ہوتا تو خدام کو ازخود ہی اشارہ فرمادیتے کہ سند دے دو! اس سے بھی رجوع کو مکمل قرار دینا ثابت نہیں ہوتا۔

(بہت سے اہل بدعت منکرین حیات انبیاء نے بھی اس نرمی سے فائدہ اٹھایا اور جھوٹ بول کر، تقیہ بازی کے ساتھ سند حدیث لے گئے۔ اعاذنا اللہ منہ)

رہی آپ کی بات کہ ''احقر نے رجوع نامہ نہیں دیکھا'' تو وہ ایک حقیقت ہے، دیانت داری کا تقاضا تھا لہٰذا لکھ دیا اور جو بات جس حوالہ سے جیسے سنی تھی نقل کر دی، اب جب آپ کے مرتبہ رسالہ میں رجوع نامہ دیکھا تو

حقیقت سامنے آئی کہ اکابرین نے کیوں اس پر عدم اطمینان کا اظہار فرمایا تھا۔

(9) آپ نے لکھا:

''مولانا سرفراز حسن خان حمزہ صاحب مدظلہ اگر مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب دامت برکاتہم کے اعلان رجوع کو دیکھ لیتے تو شاید اتحاد واتفاق کی فضا میں اختلاف کا بیج بونے اور حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ سمیت دوسرے اکابر کی تائید کے مقابلہ میں اپنی جدا رائے پیش کرنے سے گریز کرتے۔''

عرض: محترم! احقر نے اکابر سے جدا رائے پیش کرنے کی جسارت بلکہ حماقت اور سنگین غلطی ہرگز نہیں کی بلکہ انہی کی رائے اور مؤقف کی وضاحت کی ہے، اب احقر مولانا ہزاروی مدظلہ کے اعلان رجوع کو پڑھنے کے بعد بھی امام اہل سنت اور دیگر اکابرین کے معتمد، امین ملت مناظر اسلام حضرت اوکاڑوی کے پیرومرشد، شیخ العرب والعجم حضرت مدنی رحمہ اللہ کے شاگرد وخلیفہ قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ کی اتباع میں، مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ کے فرمان اور دارالعلوم کراچی کے فتویٰ کے مطابق اس اعلان رجوع کو نامکمل ہی سمجھتا ہے کیونکہ ہمارے اکابرواسلاف کی یہی رائے ہے۔ محترم! اکابر کی اتباع کو ''اختلاف کا بیج بونے'' سے تو نہ تعبیر فرمایئے......!

محترم! گستاخی کی معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ اتحاد واتفاق کی دعوت تو آپ نے بہت خوب دی مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ......سب سے پہلے اختلاف کا بیج بوکر وحدت امت کو پارہ پارہ کس نے کیا؟؟......اس اول سبب کا سدباب کرنا چاہیے نہ کہ اس کے تریاق میں رکاوٹ بن کر اختلاف کو مزید ہوا دی جائے۔

(10) اکابرین اہل سنت کے مؤقف کو اجاگر کیے جانے کو ''بے جا تنقید'' سے تعبیر کرنا کہیں ہماری اپنی ہی گمراہی تو نہیں......؟

خدارا سوچیے اور غور کیجئے!

خدا تعالیٰ ہم سب کو اکابرین دیوبند کے مسلک حقہ سے وابستہ رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور اکابرین کے مؤقف پر مضبوطی سے قائم ودائم رکھے۔ آمین۔ بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

والسلام......خیر اندیش......طالب دعا......خادم اہل سنت......سرفراز حسن خان حمزہ احسانی

متعلم: دارالعلوم مدنیہ، ماڈل ٹاؤن بی، بہاولپور

اس عریضہ کے بعد مولانا نثار صاحب کی طرف سے کوئی جواب موصول ہوا نہ ہی انہوں نے حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی وہ تحریر ارسال فرمائی جس کے بارے میں انہوں نے لکھا کہ میرے پاس موجود ہے، اگر ارسال فرمادیتے تو اسے بھی یہاں نقل کر دیا جاتا۔ اب تمام صورتحال سپردِ قرطاس ہے۔ قارئین خود ہی فیصلہ فرمالیں!

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر موقع اور ہر موڑ پر اپنے اکابر کے نقش قدم پر پوری مضبوطی اور تندہی کے ساتھ قائم ودائم رہنے اور ''مسلک حق'' کے خوب خوب دفاع واشاعت کی توفیق رفیق فرمائے۔ آمین۔

امام اہل سنت نمبر......اکابر وعلماء......کی نظر میں

استاذ المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم:

آپ کی کتاب بہت پسند آئی، ماشاء اللہ بہت خوب ہے، بہت خوب ہے، بہت خوب ہے۔ بالخصوص آپ کا، آپ کے والد صاحب اور آپ کے بھائی (احسن خدامی) صاحب کا مضمون بہت ہی پسند آیا، دل سے آپ کے لیے بہت دعائیں نکلیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور بہت بہت ترقی نصیب فرمائے۔ آمین

(ایک مکتوب گرامی میں حضرت الشیخ دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:) دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو عمدہ صلاحیت اور استعداد لکھنے اور حق کو ظاہر کرنے اور باطل کو رد کرنے کی آپ کے اندر پیدا کی ہے وہ نظر بد سے محفوظ رہے اور اس میں مزید استحکام پیدا ہو۔ مستقبل میں آپ سے بڑی توقع دین حنیف کی خدمت کے حوالے سے وابستہ ہے۔ نجیب الطرفین ہونے کا قابل رشک یہ شرف کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ اور پھر اس کے مقتضیات کی رعایت کے ساتھ زندگی گزارنا جو اصل مقصد ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عنایت خاص کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے اس فقیر بے نوا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کو مضبوط اور مستحکم کرنے پر خصوصی توجہ فرمائیں اور بالدوام فرمائیں، اس میں غفلت نہ ہونے پائے۔ آپ کے دادا جان اور نانا جان کی سیرت میں یہ وصف بہت نمایاں ہے۔ (والسلام)......سلیم اللہ خان......۱۰ شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائیں کہ آپ نے بڑی خدمت انجام دی۔ حضرت قدس سرہ پر ایسی خصوصی اشاعت کی بڑی ضرورت تھی، ماشاء اللہ آپ نے اتنی جلدی جس سلیقہ سے یہ نمبر شائع کیا ہے، اس پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد زرولی خان مدظلہ:

نمبر دیدہ زیب بھی ہے اور عناوین خاصے مربوط بھی ہیں اور اعلیٰ طباعت اور دیدہ زیب صنعت وکاریگری اس پر مستزاد۔ آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بڑھتا گیا۔

شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی مدظلہ:

اپنے عظیم دادا کو خراج عقیدت پیش کرنے میں محنت وکاوش کا حق ادا کیا ہے۔ موصوف کی محنت قابلِ داد ہے اور یقیناً قارئین بھی انکی کاوشوں کے ثمرات خوبصورت، ضخیم اور معیاری اشاعت کی صورت میں دیکھ کر محظوظ ہوں گے اور دعائیں دیں گے۔

استاذ العلماء مولانا قاری احسان الحق مدظلہ:

''امام اہل سنت نمبر'' دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی، دل سے آپ کے لیے بہت دعائیں نکلیں، حضرت قاضی (مظہر حسین) صاحب رحمہ اللہ کی غیرت کا پورا پورا عکس نظر آیا۔ اللہ تعالیٰ ترقی سے نوازے۔

شیخ الحدیث مولانا قاری جمیل الرحمٰن مدظلہ:

امام اہل سنت نمبر دیکھ کر دلی خوشی ہوئی۔ آپ نے حضرت امام اہل سنت کے مسلک و موٴقف کو مثبت انداز میں پیش کیا ہے، جس پر آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ یقیناً حضرت کی روح مبارکہ کو بھی تسکین پہنچی ہوگی۔

حضرت مولانا ثناء اللہ شجاع آبادی مدظلہ:

مجلّہ ''المصطفیٰ'' کی زیرِ نظر کاوش نے اپنے مقاصد میں نہایت واضح اور شاندار کامیابی حاصل کی ہے اس پر تمام انتظامیہ قابلِ صد مبارکباد ہے۔ ؎ اللہ کرے حسنِ نظر اور زیادہ

حضرت مولانا عبد الجبار سلفی مدظلہ:

عزیزم نے جس عمدگی، شستگی اور شگفتگی سے مضامین کا انتخاب کر کے موتیوں کو مالا میں پرویا ہے، وہ قابلِ صد لائق تحسین ہے۔ ہر مضمون کو اس کے معیار کے مطابق ایسی جگہ دی ہے کہ پڑھنے سے نہ دماغ تھکتا ہے، اور نہ ہی دل بھرتا ہے۔ عزیزم سرفراز حمزہ نے اپنے دادا جی کی مشکبار سیرت سے معاشرے کو چمکانے کی جو مبارک سعی کی ہے، اس پر وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ لکھنے والوں کی تحاریر میں تاریخ کی واقعیت، ادا کا حسن اور جذبے کی حدت، منتہائے کمال پر جا کر بایں طور ہم آہنگ ہوگئی ہے کہ امام اہل سنت رحمہ اللہ کی زندگی فی الواقع ایک عہد آفریں اور ہمہ جہت نظر آتی ہے۔ اور ایک عالم ربانی کی زمانے پر پرچھائیوں کا عجیب منظر سامنے آتا ہے، جگر مراد آبادی کیا خوب کہہ گئے۔

جب عشق اپنے مرکز اصلی پہ آ گیا خود بن گیا حسین، زمانے پہ چھا گیا

حضرت مولانا محمد شفیق احمد سلیم مدظلہ:

مجلّہ ''المصطفیٰ'' بہاولپور کا ''امام اہل سنت نمبر'' حضرت الاستاذ رحمہ اللہ تعالیٰ کی حیات مستعار کے حسین لمحات اور زندگی کے خوبصورت چند گوشوں کی ایک بہت ہی دلآویز دلکش اور ظاہری و باطنی خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ ایک حسین و جمیل تصویر ہے۔

حضرت مولانا محبوب احمد مدظلہ:

ماہنامہ المصطفیٰ کے امام اہل سنت نمبر کے مطالعہ کی سعادت نصیب ہوئی، آپ نے ماشاء اللہ خوب عرق ریزی، جفاکشی اور لگن سے اس شمارہ کی ترتیب و تدوین سرانجام دی ہے، **فجزاہ اللّٰہ احسن الجزاء**. آپ کی محنت انتہائی قابل قدر اور قابل صد مبارک باد ہے، حق تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازیں اور حضرت کی تعلیمات سے آگاہی کیلئے امت کی رہنمائی کا ذریعہ بنائیں۔

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

امام اہل سنت نمبر پر......مجلّہ ''تسکین الصدور'' کا تبصرہ

جس زمانہ میں، میں نے پہلی مرتبہ ہفت روزہ ''ضرب مومن'' کا ایک شمارہ دیکھا تو پیشانی کے نیچے تحریر ایک سطر پر میری نظر ٹک گئی اور دیر تک اس لائن کو حسرت بھری نگاہوں سے تکتا رہا، عبارت تھی ''بدعاء: شیخ المشائخ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ'' ایک آرزو مجھے ہمیشہ تڑپاتی تھی اور ایک خواہش لگاتار انگڑائیاں لیتی رہتی تھی کہ کاش! کوئی ہفت روزہ یا ماہنامہ جریدہ ایسا بھی نکلے جس کے سرورق پر ''بدعاء: امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر'' کے الفاظ تاباں ہوں، تقدیر کا کرشمہ دیکھئے کہ ۱۴۲۴ھ کو اُدھر میں **جامعة الرشید** کراچی سے دورۂ صحافت کر کے واپس آیا اِدھر برادر مکرم حافظ محمد یوسف صاحب اور مولانا اللہ دتہ صاحب کی کاوشوں سے دوماہی ''نورِ بصیرت'' کی اشاعت کا آغاز ہوا، حافظ صاحب مذکور کے اصرار اور کچھ معروضی حالات کے پیش نظر نورِ بصیرت کے دوسرے پرچہ کی تیاری میں شریک ہوگیا اور تیسرے شمارہ سے ادارت سنبھالی، میری زیرِ ادارت پہلا شمارہ جب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آیا تو سرورق پر پیشانی کے اوپر ایک سطر مجھے بہت بھلی لگ رہی تھی، جی ہاں میری دیرینہ تمنا کی تکمیل یعنی حضرت امام اہل سنت کا نام نامی بڑے خوبصورت انداز میں مسکرا رہا تھا۔

وارفتگی اور محبت کا یہ عالم میرے ساتھ ہی خاص نہیں، حضرت امام اہل سنت میرے جیسے بے شمار افراد کی عقیدتوں کا محور اور ان گنت شخصیات کی چاہتوں کا مرکز تھے، اس لیے آپ کی زندگی کے مختلف گوشوں سے آگاہ ہونے کا ہر شخص آرزومند تھا لہٰذا کسی ایسے معروف اور وقیع رسالہ کی خصوصی اشاعت کا منظر عام پر آنا ضروری تھا جو آپ کے سوانح اور افکار کا عکس پیش کر سکے۔ توقع کے بالکل برخلاف مجلّہ ''المصطفیٰ'' بہاولپور کو یہ اعزاز حاصل ہوا اور یوں **900** صفحات کا ضخیم نمبر ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک فراہم کر رہا ہے۔

المصطفیٰ کی اس خصوصی اشاعت میں صاحبزادۂ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ کا مضمون پورے رسالے کی جان ہے۔ حافظ عمار خان ناصر صاحب نے اپنے بعض مضامین میں حضرت امام اہل سنت کو بھی اپنے ہاتھ کے کرتب سے اپنا ہمنوا ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے **فیا للعجب**، مولانا عبدالحق خان صاحب نے اس مضمون کی مدلل، پرمغز اور جاندار تردید فرمائی اور آپ کے شعلہ بار قلم نے عمار صاحب کی غامدیت پر استوار عمارت کو خاکستر کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ مولانا عبدالروف چشتی صاحب کا مضمون ''صفدر دواخانہ کی سکہ بند دوائیں'' دلچسپ بھی ہے اور حقائق کشا بھی۔ اسی طرح خانوادۂ امام اہل سنت کے ہر فرد کی تحریر معلومات افزاء اور لائق مطالعہ ہے، ان تحریروں سے حضرت کے بہت سے قابل تقلید خانگی معمولات کا پتہ لگتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ کے مضمون میں بعض مندرجات نے چونکا دیا ہے، حیرت ہے کہ

انہوں نے رضاخانی بھیڑ کے چند افراد سے ملاقات کر کے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا کہ ''دونوں مکاتب فکر (دیوبندی، بریلوی) کا اختلاف بڑی حد تک صرف تعبیر اور الفاظ کا اختلاف ہے، حقیقت میں ایسا کوئی اختلاف عقائد کے باب میں نہیں ہے، جس کی بنیاد پر ایک دوسرے کو گمراہ یا فاسق قرار دیا جائے'' کیا علم غیب، حاضر ناظر، مختار کل، نور و بشر، اور مافوق الاسباب پکار جیسے مسائل جنہیں صدیوں سے فقہاء کرام شرکیہ قرار دیتے آئے ہیں یہ سب تعبیر کے اختلافات ہیں؟ مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ سے لیکر حضرت امام اہل سنت تک بڑے بڑے اکابر دیوبند نے جو رضاخانی ٹبر کو ان شرکیہ عقائد کا حامل قرار دیا، آنجناب کی ''تعبیر'' ان اکابر کی دیانت وفہم پر سوالیہ نشان نہیں ہے؟ صرف تعبیر کے اختلاف میں پڑ کر ہمارے اکابر نے کیا اپنے وقت کا خون کیا؟ ویسے تعبیر کی حدود اربعہ کی وضاحت بھی وقت کا تقاضا ہے۔ اور پھر اس سلسلے میں حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کو اپنے موید کے طور پر باور کرانا مزید تعجب خیز ہے جبکہ حضرت امام اہل سنتؒ کا مؤقف روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہے جو ان کی کتب، دروس میں مذکور ہے سر دست حضرت رحمہ اللہ کا ایک مکتوب گرامی ملاحظہ فرمائیں جو ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ کے شکریہ کے ساتھ قارئین کی نذر ہے، اس مکتوب گرامی سے اندازہ ہوتا ہے کہ دیوبندی بریلوی اتحاد کے بارے حضرت امام اہل سنت کا مؤقف غیر مشروط نہیں ہے اور ان شرائط کے بغیر صلح کرنے کو وہ بے غیرتی قرار دیتے ہیں اور صلح کرنے والے دیوبندی علماء کی برملا مخالفت کا اعلان کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو!

''سنا ہے کہ دیوبندی بریلوی مصالحت ہوا چاہتی ہے۔ راقم کا وہ بیان جو جناب نیازی صاحب کے نکات کے جواب میں تھا، ابھی تک کیوں شائع نہیں ہوا؟ یہ بہت غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ چونکہ ان کے ''کنز الایمان''، ''خزائن العرفان'' اور مولویوں پر پابندی ہے، وہ اس بھنور سے اس حیلہ اور تدبیر سے اپنی راہ ہموار کرتے ہیں کہ ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' کو سامنے رکھ کر اپنا کام ڈھیلے ڈھالے دیوبندیوں کے ذریعے نکالیں۔ اگر وہ اس پر فیصلہ چاہتے ہیں تو ہماری طرف سے یہ شرط ہوگی کہ وہ یہ تحریر کردیں کہ تمام علمائے دیوبند مسلمان ہیں اور ہم ان کی تکفیر کرنے والوں کی تائید نہیں کرتے۔ اگر عبارات کا مسئلہ سامنے آئے تو ہماری طرف سے یہ شرط ہے کہ ان کے اکابر کی جو عبارات خلاف شرع اور قابل اعتراض ہیں، ان کی بھی وہ اصلاح کریں۔ اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہمارے اکابر کی عبارات خلاف شرع اور قابل اعتراض نہیں ہیں تو ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ اس کے لیے فریقین ثالث مقرر کریں جن میں علماء کے علاوہ جج صاحبان بھی ہوں۔ جو فیصلہ وہ کریں سب کو منظور ہو۔ اگر ہماری پیش کردہ شرائط وہ تسلیم نہیں کرتے تو ون وے ٹریفک اور ایک ہاتھ سے تالی بجانے کے ہم قائل نہیں ہیں۔ ہم اس کو کبھی برداشت نہیں کریں گے کہ وہ تو بدستور ہمارے اکابر کی تکفیر کرتے رہیں اور ہم بے غیرت ہو کر برداشت کرتے رہیں اور ان کا وقت پاس ہو جائے۔ ان مذکورہ شرائط کے خلاف صلح کرنے والے دیوبندیوں کی ہم علی الاعلان مخالفت کریں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔''

خانوادۂ امام اہل سنت میں برادر عزیز مولوی سرفراز حسن خان حمزہ کا مضمون تفصیلی بھی ہے اور متنوع گوشوں پر حاوی بھی۔ حمزہ بھائی کے مضمون میں کیونکہ بعض نازک زاویے اور موضوعات بھی زیر بحث آ گئے ہیں اس لیے ان کا مقالہ بعض روایتی مریدین اور عقیدتمندوں کی طبع نازپر گراں گزرا ہے۔ تعجب ہے کہ اس مضمون پر برہمی کا اظہار کرنے والوں میں سرفہرست اٹک کے ایک معروف صاحب علم وقلم ہیں جو حمزہ بھائی کی تحریر کے اس حصہ پر

بالخصوص نالاں ہیں جسکا تعلق حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب سے ہے، حالانکہ حضرت ہزاروی صاحب سے متعلق حمزہ بھائی کے مضمون میں کوئی عبارت قابل گرفت نہیں ہے۔ ''انتظار باقی ہے'' کے عنوان کے تحت حمزہ بھائی نے جن تحفظات کا اظہار کیا ہے وہ بجا ہیں، حضرت ہزاروی صاحب کے رجوع کے متعلق کئی اکابر بھی عدم اطمینان کا اظہار کر چکے ہیں، اور واقعتاً حضرت ہزاروی صاحب کے رجوع کی نوعیت کا تعین آج تک نہیں ہو سکا،

[ا]......رسالہ ''قضیہ کا خاتمہ'' کے مرتب لکھتے ہیں کہ حضرت ہزاروی صاحب نے مولانا عبدالحفیظ مکی کے مشورے سے رجوع کیا اور اتحاد و اتفاق کی فضا کو پیدا کرنے کے لیے رجوع کیا۔

[۲]......جب کہ مولانا عبدالحفیظ مکی (جو اپنے غلط مؤقف پر تاہنوز قائم ہیں) فرماتے ہیں کہ مولانا ہزاروی شریف آدمی ہیں، قاضی (مظہر حسین) صاحب رحمہ اللہ کے دباؤ میں آگئے، اب اصل مسئلہ یہ ہے کہ حضرت ہزاروی کا رجوع......

[ا]......قاضی صاحب کے دباؤ کی وجہ سے ہے......یا

[۲]......اتحاد و اتفاق کی خاطر ہے......یا

[۳]......علوی مالکی کے ان نظریات سے اختلاف کی وجہ سے ہے جن کی نشاندہی قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ، مولانا یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ وغیرہ حضرات نے کی......؟

مؤخر الذکر شق کی کہیں صراحت نہیں، جبکہ ضرورت اسی کی ہے، رجوع کے سلسلہ میں اتنا کہہ دینا کہ ''جو نظریات علماء دیوبند کے خلاف ہوں ان سے برأت کا اعلان کرتا ہوں'' کافی نہیں، جب تک یہ صراحت نہ ہو کہ علوی مالکی کے متنازع نظریات بھی واقعتاً علماء دیوبند کے نظریات سے متصادم ہیں، ہزاروی صاحب کی طرف سے اس صراحت کا انتظار باقی ہے۔ بالخصوص اس صورت میں جب حضرت ہزاروی صاحب علوی مالکی نظریات کو دیوبندی نظریات کے موافق باور کرا چکے ہوں۔

رہی یہ بات کہ اس قضیہ کو چھیڑا کیوں گیا، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ''المصطفیٰ'' کی خصوصی اشاعت حضرت امام اہل سنت کے سوانح و افکار پر مشتمل ہے، حضرت امام اہل سنت کے اس فکری گوشہ کا مخفی رہ جانا کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ لاہور میں منعقد ہونے والی ''تحفظ سنت کانفرنس'' میں حضرت امام اہل سنت کی سرپرستی اور مکی صاحب کی صدارت کا ڈھنڈورا ملک بھر میں پیٹا گیا، جس سے دونوں کی فکری یکسانیت کا تأثر ملتا تھا، اس لیے اس غلط تأثر کا ازالہ بھی ضروری تھا، تاکہ سب پر واضح ہو کہ حضرت امام اہل سنت، علوی مکی نظریات کی آلودگیوں سے پاک ہیں۔ جہاں تک حمزہ بھائی کی تحریری درشتی کا تعلق ہے اس سے اگر کسی کو اختلاف ہے تو وہ اس کا حق رکھتا ہے، اور حمزہ بھائی کو اپنے طرزِ تحریر پر اصرار بھی نہیں، جہاں تک مضمون کے مندرجات کا تعلق ہے وہ بے داغ ہیں بلکہ تشنۂ تکمیل۔

الغرض مجلّہ ''المصطفیٰ'' کی خصوصی اشاعت، حُسن انتخاب، حُسن ترتیب، حُسن ظاہری اور حسن قبولیت سے بہرہ ور ہے۔ اللہ تعالیٰ دارالعلوم مدنیہ کے اس ترجمان کو اسی طرح کے کارہائے نمایاں سرانجام دینے کی توفیق سے سرفراز فرماتے رہیں۔ آمین۔